مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد

میلاد الرسول ﷺ

مصنفہ

حضرت امام السالکین الشاہ محمد صوفی ابو الفیض قلندر علی شاہ سہروردی علیہ الرحمہ

الداعی: صاحبزادہ سید محمد شاہد رسول سہروردی

ناشر:- مرکزی مجلس سہروردیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سہروردی بھائیوں سے خطاب

مرکزی مجلسِ سہروردیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ جدِ امجد حضرت امام السالکین الحاج سید ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ کی مختلف تصانیف کو از سرِ نو چھپوا کر علم کے اس عظیم خزانے کو عامۃ المسلمین بالخصوص سلسلہ سہروردیہ کے متوسلین تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے کیونکہ مسلمانانِ عالم جس نازک دور سے گزر رہے ہیں اس میں ایک طرف الحاد و زندقہ کی آندھیاں چل رہی ہیں اور دوسری طرف اخلاق و روحانیت پر طرح طرح کے حملے کئے جا رہے ہیں، ایمان و عقیدے کی پختگی اور خدا شناسی کی صلاحیت کم سے کم ہوتی جا رہی ہے اس دینی انحطاط کا سبب یہ ہے کہ مسلمان دینِ قیم کی صحیح تعلیمات سے تہی دامن ہو گئے ہیں، لہٰذا لازمی ہے کہ صحیح معنوں میں کتاب و سنت اور بزرگانِ متقدمین کی پیروی کر کے کامیابی و سعادت کی راہ اختیار کی جائے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر حضرت علیہ الرحمۃ کے کتابچہ "میلاد الرسول" کو طبع کروا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ تبلیغ اشاعتِ دین کی اس مساعی میں پوری طرح تعاون کیا جاوے گا اور سہروردی

بھائی اس کتابچہ کو اپنے اہلِ خانہ کی تعلیم و تربیت کے لئے نیز تبرک اپنے گھر میں رکھیں گے۔ اور اپنے دوست احباب میں بھی اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت فرمائیں گے۔

والد بزرگوار ماہتاب سہروردیہ صاحبزادہ سید ابوالشاہد محمد فیض احمد سہروردی سجادہ نشین اوّل مرکزی مجلسِ سہروردیہ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں حضرت علیہ الرحمۃ کی چند ایک غیر دستیاب تصانیف کو زیورِ طبع سے آراستہ کروایا۔ مگر اپنی علالتِ طبع اور گوناگوں مصروفیات کے سبب اس مساعی کو زیادہ دیر جاری نہ رکھ سکے۔ چنانچہ ۲۶ اگست ۱۹۸۲ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کے بعد سجادہ نشینی کے لئے بزرگانِ سلسلہ سہروردیہ کی نگاہِ انتخاب اس فقیر و ناتواں پر پڑی اور اس کے ساتھ ہی تمام تر ذمہ داریاں اس فقیر کو تفویض کر دی گئیں چنانچہ فقیر اپنی کم مائیگی کے باوصف اس ذمہ داری کو لے کر آگے بڑھنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

اللہ تعالیٰ بطفیل ارواح بزرگ اس میں کامیابی عطا فرمائے۔

(آمین)

فقیر جدِ امجد علیہ الرحمۃ کے کچھ غیر مطبوعہ علمی خزانے کو بھی

زیورِ طبع سے آراستہ کروا کر احباب علم و شوق تک پہنچانے کی سعی میں مشغول ہے۔

وما توفیقی الا باللہ

صاحبزادہ سید محمد شاہد رسول سہروردی
سجادہ نشین و صدر مرکزی مجلس سہروردیہ

لاہور ۱۰ اگست ۱۹۸۴ء

ضروری گذارش

مسئلہ میلاد شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جس قدر کہنے والوں نے کچھ کہا اور لکھنے والوں نے لکھا۔ اہل ایمان کے لئے اس سے ہزار گنا لکھنا اور کہنا باقی رہتا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے جمال ظاہری و کمال باطنی پر کچھ بیان کرنے کے لئے اگر ساری دُنیا بھی متفقہ طور پر بیان کرنا شروع کر دے۔ اور غیر معین مدت تک حضور کی کمالیت پر اظہار عقیدت و ایمان کرتی رہے تو وہ اوصاف حضور علیہ السلام سے ایک شمہ یا آپ کے محاسن و فضائل کے سات سمندروں سے ایک قطرہ ہوگا کیونکہ اس سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونا طاقت بشری سے خارج ہے۔ بنا بریں یہ چند اوراق بھی جو اپنی بے مائیگی و ہیچمدانی کے ماتحت ہدیہ قارئین کئے جا رہے ہیں اُس یوسف لولاک کے حسنِ بے پناہ کی خریدار ہی میں ایک سُوت کی اَٹی کی حیثیت میں ہی پیش کئے جا رہے ہیں۔ اور غرض یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے کمالات ظاہری و باطنی کا تصور دلایا جائے۔ جن کو پڑھنے اور سمجھنے سے پیشتر مندرجہ ذیل امور کی روشنی حاصل کر لینا بڑا ضروری ہے۔ تاکہ اصل مقصد کے حصول میں مغالطہ نہ ہو۔

(۱) مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہیے کہ مولا کریم جل و علا شانہٗ نے کمال خلق کی طرح کمال خلقت میں بھی کسی مخلوق کو حضور کا مثل پیدا نہیں فرمایا اور نہ فرمائے گا۔ علامہ دمیری نے کیا خوب لکھا ہے۔ لَمْ يَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ
اَبَدًا وَّعِلْمِيْ اَنَّهٗ لَا يَخْلُقُ

یعنی کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا مثل کبھی بھی پیدا نہیں فرمایا۔ اور مجھے علم ہے کہ نہ پیدا فرمائے گا۔

رہی مثلیت کی توضیح اور کس میں اور کیونکر سو یہ ایک بے معنی تخیل ہے کسی بات میں بھی مماثلت ممکن نہیں۔ اور امکان نظیر قطعاً محال ہے۔

(۲) جن بزرگوں نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے جمال باطنی و فضائل ظاہری کا ۔۔۔ انہوں نے اگرچہ حضور علیہ السلام کے فضل و شرف کے بیان میں حسب طاقت بشری

انتہائی فصاحت و بلاغت سے کام لیا ہے۔ مگر غایت جس پر وہ پہنچ سکے ہیں یہی ہے۔
کہ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کی صرف ایک جھلک دکھا دی اور باقی سمیا
ہے اور حقیقت وصف کے ادراک سے عاجز رہ گئے ہیں۔ یعنی وہ صرف صورت وصف کو پیش
کرسکے ہیں حقیقت وصف کی طاقت نہیں پا سکے کیونکہ حقیقت وصف آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم کو خالق بے چون کے سوا کوئی نہیں جانتا چنانچہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ
بیان کرنے والوں نے آپ کے اوصاف کی صرف صورت پیش کی ہے۔ جیسے کہ پانی ستاروں کی صورت
دکھا دیتا ہے حقیقت نہیں۔ اسی طرح امام قرطبی رحمۃ اللہ نے اپنی تصنیف کتاب الصلوٰۃ میں
کسی عارف کا کیا اچھا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کامل حسن ہمارے لئے ظاہر
نہیں ہوا کیونکہ اگر ظاہر ہو جاتا تو ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی تاب نہ لا سکتیں۔

(٣) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بیان میں جو تشبیہات وارد ہوئی ہیں وہ صرف لوگوں کے
سمجھانے کے لئے حسب عرف و عادت شعراء استعمال ہوئی ہیں کیونکہ حقیقت میں مخلوقات میں
سے کوئی چیز آپ کی صفات خلقیہ و خُلقیہ کی مماثلت نہیں رکھتی۔

(٤) اعضائے شریف کے اوصاف میں توسط و اعتدال جو حسن و جمال کا مدار اور فضل و کمال
کا مبنی ہے بطور کلیہ ہر جگہ ملحوظ ہے۔

(٥) رسالہ ہذا میں حسن صورت کی بجائے حسن سیرت کے چند مدارج و مراتب پیش کئے جارہے
ہیں۔ خدا کرے کہ یہ سب اہل اسلام اور عوام کے لئے کتاب عمل میں جگہ حاصل کرسکیں
تاکہ مسلمان منشائے ایزدی کے مطابق مسلمان بن سکے۔ وباللہ التوفیق۔

دین و دنیا کا قوام

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک ایسے ملک ایسے شہر اور ایسی فضا میں آباد تھے۔ جہاں
ہر طرف بادہ نوشی اور جوئے کا زور تھا۔ شاہد پرستی کا سیلاب اُمڈا ہوا اور جنگ و جدال کی گھٹائیں
مسلط تھیں۔ بُت پرستی اور بداخلاقی کی گندگیوں نے خدا کی مخلوق کو مخلوق کا بندہ بنا رکھا تھا۔
اللہ کے سامنے جھکنے والے سر بُتوں کے سامنے سجدہ ریز تھے جسن وعشق اور فجور و فسق کا بازار گرم
تھا۔ نہ کوئی آئین نہ اصول نہ تہذیب نہ تمدن۔ نہ علم نہ مذہب جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے
ویسے کے ویسے ہی اجہل تھے۔ بے حیائی و بے غیرتی۔ بداخلاقی و بداطواری۔ بدوضعی و زنا شوئی
لواطت و میخواری۔ غیبت و بدگوئی۔ قمار بازی و ڈاکہ زنی۔ ان کے قابل فخر اعمال تھے۔ سب
راعی اور سب رعایا۔ زیردستوں پر زبردستوں کے دندان ظلم ہمیشہ تیز رہتے تھے۔ غرضیکہ وہ
فرعونوں اور سیاہ کاروں کی وہ دُنیا تھی جس میں کمزوروں اور مظلوموں کی کوئی فریاد سُننے والا نہ
تھا۔ اور یہ ایک عرب ہی کیا دُنیا بھر انہی امراض میں مبتلا تھی۔

اس وقت جہاں کہیں دُنیا میں یہودیت۔ عیسائیت۔ مجوسیت۔ بُدھ مت۔ ہندو
دھرم اور کنفیوشس جیسے مذاہب موجود بھی تھے۔ ان کی حیثیت بھی ایک نام نہاد اور
مسخ شدہ حقیقت سے زیادہ نہ تھی۔ انھوں نے اپنے پیشواؤں اور قائدوں کی خدائی یہاں
تک تسلیم کر رکھی تھی۔ کہ فرعونیت و نمرودیت کو اس کی اساس کہہ دینا بے جا نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا مذاہب کے علاوہ عرب میں دین ابراہیمی بھی دین کے نام سے مشہور تھا جس
کی بُنیاد خالص توحید پر تھی۔ لیکن مرور زمانہ سے اس کی حالت بھی ایسی سقیم ہو چکی تھی۔ کہ
سارے ابراہیمی بھی بُت پرست نظر آتے تھے۔ خلیل اللہ کی اُمت بُتوں کے سامنے برہنہ رقص
کرتی اور ان سے حاجتیں طلب کرتی دکھائی دیتی تھی۔ اور ان میں سے جو موحد بُت پرستی کو اچھا
نہ سمجھتے تھے۔ وہ رہبانیت کے علمبردار ہو جاتے تھے۔ اور اسی طریق پر زندگی گذارنا دین ابراہیمی
کا صحیح عمل اور اسی صحرا النشینی کی عبادت جو ترک لذات پر مبنی ہوتی بحیثیت ایزدی خیال کرتے۔
جس کی اسلام نے نہایت موزوں پیرایہ میں تردید فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ

ترکِ دُنیا جو انھوں نے خدا کی خوشنودی کیلئے ایجاد کی تھی۔ ہم نے ان پر اُسے فرض نہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کو پوری طرح نباہ نہ سکے۔ پھر جو لوگ ان میں سے ایمان لائے تھے ان کو اُس کا صلہ دیا۔ اور ان میں سے بہت سے تو نافرمان اور فاسق ہیں

اسی ارشادِ گرامی کے پچھلے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ جن میں آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے ایک ایسی گندی حقیقت اور پوشیدہ معصیت سے پردہ اُٹھایا گیا تھا جس کی تصدیق پوری طرح آج کلیساؤں اور گرجوں کی منہدم عمارتیں کر رہی ہیں۔

سرکارِ دو عالم نبی مکرم فخرِ بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا احسان نوعِ انسانی پر یہ ہے کہ حضورؐ نے گمراہ دُنیا کی اصلاح فرما کر اس کی غلط رَو مخلوق کو راہِ حقیقت سامنے کر دی اور انسانی زندگی کے تجربے میں اشارۂ خداوندی کے ماتحت صاف صاف سُنا دیا کہ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔ یعنی اسلام میں ترکِ دُنیا نہیں ہے۔ یہ صدائے عام مکّہ کی پہاڑیوں۔ طائف کی وادیوں اور حجاز کے ریگستانوں میں گونجتی ہوئی ساری دُنیا میں پہنچی۔ جن لوگوں نے سُنا ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ اور قلوب و ارواح میں ایک بیداری پیدا ہو گئی۔ انسان کی سوئی ہوئی اور بیہودہ پوش فطرت جاگ اُٹھی جس کو دوسرے مذاہب نے تھپک تھپک کر سُلا دیا تھا۔ خدائے واحد کے ڈھونڈنے والوں کے سینوں میں طلب و جستجو کی برنگِ دیگر ایک ایسی ہوا دی۔ کہ متلاشیانِ حق جنگلوں۔ پہاڑوں۔ غاروں اور چلّوں سے نکل کر مکّہ کی طرف دوڑے۔ اور اس راز کے پانے میں کامیاب ہو گئے جس کے حصول میں ان کی جانکاہ ریاضتیں اور بے پناہ محنتیں ان کو مطلوب کی دہلیز سے شناسا نہ کرا سکیں۔

جو فلسفیوں سے کُھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہُوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

یعنے حضور علیہ السلام نے خدا طلبی کے لئے دُنیا نہیں چھڑوائی۔ بلکہ اپنے غلاموں کے لئے ان کی دُنیا کو بھی دین کا رنگ دے کر فرمایا۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اے ہمارے پروردگار ہماری دُنیا بھی سنوار دے اور ہمارا دین بھی بار الٰہا تو

بھی سنوار دے۔ اس آیتِ مبارکہ میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو کسی خاص طبقہ کے لئے مخصوص نہیں فرمایا۔ دوم یہ کہ دین یا عقبیٰ سے دُنیا کو مقدم فرمایا ہے کیونکہ یہ ایک روشن حقیقت ہے۔ کہ اسلام کی بہت سی عبادات۔ مثلاً جہاد۔ زکوٰۃ۔ خیرات۔ حج۔ اشاعتِ دین۔ بال بچوں کی پرورش۔ بیواؤں یتیموں۔ محتاجوں کی امداد وغیرہ سینکڑوں قسم کی نیکیاں ہیں جو بغیر مادی اشیاء کے ممکن نہیں۔ لیکن یہ سب کچھ عین دین ہیں۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ۔ یعنی دُنیا آخرت کی کھیتی ہے اب کون نہیں جانتا۔ کہ کھیتی میں بغیر کاشت کئے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر ایک دُنیادار دُنیا کی مادی اشیاء سے نفع نہ اُٹھائے تو وہ آخرت میں حسرت و ارمان کے سوا کیا حاصل کرے گا۔ خدا کی زمین پر رہ کر اس کی چیزوں سے فائدہ نہ اُٹھانا بہت بڑی نادانی بلکہ نعوذ باللہ قدرت کو بے وقوف بنانا ہے۔ دوسرے معنوں میں گویا ایک عبدِ کامل کی زندگی مبنی ہی اس دُنیا سے مفاد حاصل کرنے سے ہے۔ کوئی طالبِ مولا دُنیا سے جدا ہو کر دین کا مالک نہیں بن سکتا۔

غارِ حرا کا مجاہدہ بعض لوگ رہبانیت کی تردید سے بدکتے ہوئے تعجب میں آ کر سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے مجاہدۂ حرا کو رہبانیت کے ثبوت میں پیش کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ یا تو وہ مجاہدۂ غارِ حرا سے شناسا نہیں۔ یا رہبانیت کی تعریف سے ناواقف ہیں۔ وہ نہیں جانتے۔ کہ تکمیلِ نفس۔ تادیبِ نفس اور کسبِ سعادت کے لئے لازمی ہے کہ نفسِ سرکش کے منہ میں تقویٰ اور پرہیزگاری کی لگام دی جائے اور جذباتِ بہیمیہ کے پُر آشوب تلاطم کے سامنے ایک فولادی دیوار کھینچ کر اس کو بے راہ رَو ہونے سے روکا جائے غارِ حرا کا طریقِ کار (جس کو ہم نے کسی دوسری جگہ بھی اسی رسالہ میں واضح طور پر لکھ دیا ہے) اسی مقصد کا علاج تھا۔ جس میں بقدرِ ضرورت محدود نوش اور خانگی تعلقات کا الحاق بھی ایسا واضح نظر آتا ہے۔ جس پر رہبانیت کا شبہ کرنا ایک مخبوط الحواس انسان ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے۔

غارِ حرا کا مجاہدہ شادابیٔ روح اور پختگیٔ ایمان کی وہ بے نظیر حقیقت ہے جس سے انسان اپنی بہیمیت کو انسانیت کا لباس پہنا کر اور وحشت و بربریت سے اپنے آپ کو دُور ہٹا کر آسمانِ روحانیت پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ اور رہبانیت وہ طریقِ کار جس پر اگر دُنیا کے بسنے والے سارے انسان صرف ایک سال کے لئے عامل ہو جائیں تو یہ جہان آب و گل ویرانہ ہو کر رہ جائے۔ نہ حکومت۔ نہ اسبابِ حکومت۔ نہ تاج۔ نہ تاج والے۔ نہ زندگی نہ موت کا فلسفہ۔ نہ مادیات سے

قطع اُٹھاتا۔ ہوائی جہاز۔ اسلحہ حرب وضرب۔ بجلی۔ مشینیں۔ کارخانے۔ موٹریں۔ غرضیکہ سب کچھ برباد ہو کر اُلوؤں کا رین بسیرا بن جائے۔ کاش کہ معترض عقل سے کام لے۔ اور سمجھے کہ ریاضت اور نفس کشی سے روح قوی اور تر و تازہ ہوتی ہے۔ اور مادی خواہشات میں انہماک سے یہ طاقت کمزور ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انبیاء و اولیاء کے علوم و ادراکات اور مقامات عقول متوسط کے درجہ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو چیز انسان میں علوم اور ادراکات کرنے والی اور عالم قدس تک پہنچانے والی ہے وہ ایک لطیف چیز روح ہی ہے۔ پھر جس قدر جسم کی کثافت کو بذریعہ مجاہدات و ریاضات کے زائل کیا جائے گا اسی قدر روح کی لطافت میں ترقی ہوگی اور علوم و ادراکات میں وسعت پیدا ہوتی جائے گی۔ جیسا کہ شیخ بو علی سینا لکھتے ہیں

خدا کی معرفت رکھنے والے پاک بندے جس وقت اُن سے جسمانی تعلق کا بار ہلکا کر دیا جاتا ہے اور وہ کسی حد تک دنیوی مشاغل سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں تو ان کی توجہ خاص طور پر عالم قدس کی جانب مبذول ہوجاتی ہے۔ اور وہ اعلےٰ درجہ کے کمال کے ساتھ موصوف اور بڑی لذت اُٹھانے والے ہوتے ہیں۔

مگر اس کے یہ معنے نہیں۔ کہ گھربار سے قطعی انقطاع کر لیا جائے۔ کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا جائے۔ دیگر اسباب راحت پر لات مار دی جائے۔ تجرد اور تنہائی ایسی اختیار ہو کہ انسان کا دُنیا میں عدم و وجود برابر ہو جائے۔ برسوں لگاتار روزے رکھے جائیں۔ کھڑا ہو جائے تو ٹانگیں خشک کر دی جائیں۔ ہاتھ اُٹھایا جائے تو سکھا دیا جائے۔ ایک پاؤں پر کھڑے ہوئے تو اُسے سُن کر دیا۔ جس آسن پر چوکڑی جمائی برسوں پہلو نہ بدلا۔ مجاہدے اور ریاضت کا یہ طریق کار اور ترک دُنیا و ترک لذات کا یہ عمل قانون قدرت اور انسانی فطرت کے سراسر خلاف ہے۔ بانئ اسلام علیہ السلام کا غار حرا کا مجاہدہ اس طرز عمل سے کوسوں دور ہے۔ کیونکہ اس سے عدم تعلقات خانگی و خورد و نوش۔ راحت و آرام سے علیحدگی اور انقطاع لذات دنیوی نظر نہیں آتا۔ بلکہ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ خالق القوی والقدر نے انسانی تخلیق بیکار نہیں فرمائی۔ کہ نہ وہ کسی کے کام آئے اور نہ کوئی اس کے کام آسکے۔ جو راہبوں اور جوگیوں کی خانہ برباد زندگیوں کا نتیجہ ہے۔ اگر رب العالمین کی خوشنودی اسی میں تھی۔ کہ ہم دُنیا کو ترک کر کے خود اپنے اجسام کو فنا کر لیں اور اس کی نعمتوں سے کوئی نفع نہ اُٹھایا تو یہ خدا کی تخلیق پر سخت ترین الزام اور بدنما دھبہ ہوگا۔ اور یہ کہنا پڑے گا کہ اس نے اس دُنیا کو کیوں پیدا فرمایا۔ اور انسان کو اس میں کیوں بھیجا۔ الغرض غار حرا کا مجاہدہ وہ تبتل اور [illegible]

وہ اعتدال پیش کرتا ہے جو مشیت ایزدی کو پورا کر کے دُنیا و دین کا قوام کر دے۔

پیکرِ نور

گو بادی النظر میں سرکارِ دو عالم نبی مکرم نورِ مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی گوشت و استخواں اور پوست و اعصاب کا مجموعہ نظر آتی تھی۔ انسان تھے۔ انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور انسانوں کی طرح رہتے سہتے اور چلتے پھرتے تھے لیکن تھے سراپائے ضیا۔ مجسمۂ جمال۔ اور پیکرِ نور ایک خاکی غلاف تھا۔ جو بشریت کے نام سے اس نور یزدانی پر چڑھا ہوا تھا۔ اہل نظر اس کالبد خاکی میں اس ضیاء و نور کی تجلیات برابر مشاہدہ کرتے تھے۔ اور عوام بھی یہ دیکھتے تھے۔ کہ عام انسانوں کی طرح حضورؐ کا سایہ نہ تھا۔ اور آفتاب کی روشنی اور دھوپ میں آپ کا کوئی عکس زمین پر نمایاں نظر نہ آتا تھا اور آ بھی کیونکر سکتا تھا اس لئے کہ نور کا سایہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ خود ایک لطیف شے ہے۔

حدیث شریف اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ مشہور ہے۔ جس کو عبدالرزاق نے بالاسناد لکھا ہے۔ یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ۔ یا رسول اللہ مجھے خبر دیجئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کونسی چیز پیدا فرمائی۔ قَالَ۔ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے جابر۔ تحقیق اللہ تعالےٰ نے سب چیزوں سے پہلے اپنے نور سے تیرے نبی کا نور پیدا فرمایا۔

اس حدیث شریف اور اسی مضمون کی دوسری احادیث سے یہ امر پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ کہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات انا نور من نور اللہ کے اشارات کے ساتھ کس نورانیت اعلےٰ کی حامل تھی۔ یہی نور تخلیق عالم سے پہلے ایک زمانہ نامتناہی تک عرش ربانی پر جگمگاتا رہا۔ اور ملاء الاعلیٰ کی فضائیں اس سے بقعۂ نور بنی رہیں۔ ملائکہ مقربین اس کے گرد گھومتے اور اس پر پروانہ وار نثار ہوتے رہے۔ پھر عرش سے یہ نور حضرت آدمؑ کی پیدائش کا سبب بنا اور اُن کی پیشانی مقدس میں منتقل ہوا۔ یہی وہ نور تھا جس کی برکت سے حضرت آدمؑ کو لقد کرمنا بنی آدم کے خطاب سے سرفرازی و سربلندی نصیب ہوئی اور مسجود ملائکہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ نیابت الہٰی۔ وراثت ربانی اور خلافت ایزدی کی جتنی نعمتیں

سیدنا آدم علیہ السلام کو حاصل ہوئیں وہ سب کی سب اسی نور پاک کی بدولت ہوئیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت اماں حوا اور ان سے حضرت شیث و حضرت نوح علیہما السلام کو منتقل ہوتا ہوا یہی نور مقدس حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا اور ان کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ کا خطاب دلاتا۔ اور عدنان تک چالیس پشتوں میں درجہ بدرجہ گزرتا ہوا عبد مناف کو ملا۔ پھر ہاشم کی پشت میں ان کی عظمت و جبروت کا باعث بنا۔ پھر ہاشم سے یہ نور مکرم حضرت عبد المطلب کو ملا۔ اور ملتے ہی ان کی سرداری و سروری کا نشان بن گیا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ اس کی تجلیات کی تاب نہ لا کر عین عنفوان شباب میں یہ امانت کبرے حضرت بی بی آمنہ کو سونپ کر راہی ملک بقا ہوئے جس کی تشریح آگے آئے گی۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ بعض حضرات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف لفظ نور کی نسبت کو سن کر کچھ اس طرح بدکتے ہیں کہ گویا حضور کو نور تصور کرنا اور نور الٰہی کہنا نعوذ باللہ ایک گناہ عظیم ہے۔ بشریت کی رٹ لگانا بشریت و مماثلت پر دھیان رکھنا، اپنے جیسا سمجھنا ان کے ایمانی نشان اور اسلامی نکھار میں داخل ہے۔ بھلا رب العزت جل وعلا شانہ نے جسے نور فرمایا ہو۔ اس کی حقیقی نورانیت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ نور اور کتاب مبین کے مذکار۔ قرآن کریم کے انگنت اسرار کیا اسی حقیقت کے حامل نہیں کہ حضور شافع یوم النشور علیہ السلام کو نور سمجھا جائے۔ بشر کے ایک لفظ نے جو ایک خاص سبب کا حامل تھا ان بشریت کے عاشقوں کا دماغ معطل کر دیا ہے۔ اور جب بھی یہ مسئلہ ان کے سامنے آتا ہے۔ تبھی بشریت سد سکندری بن کر نورانیت کے آگے حائل ہو جاتی ہے۔ اور فوراً کہنے لگتے ہیں کہ بشریت میں نورانیت کو کیا دخل۔ یہ تو ایک زیادہ سے زیادہ پاکیزگی کا استعارہ ہے تخلیق میں نور نہیں۔ اور نہ ہی نورانیت خاکی جسم میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ العیاذ باللہ۔ میں کہتا ہوں کہ بعض میں قرآن بھی یاد نہیں رہتا۔ کیا سیدنا ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے ہاں ملائکہ نورانیہ کا لباس بشری میں آنا اور ابراہیم علیہ السلام کا ان کے سامنے انسان جان کر بھنا ہوا گوشت لا کے رکھ دینا یاد نہیں پھر لوط علیہ السلام کے گھر جانا اور نوجوان لونڈوں کے روپ میں جانا جس سے قوم لوط پہ عذاب کے لئے حجت قائم ہو سکے قرآن میں نہیں پڑھا۔ اگر پڑھا ہے۔ تو بتایئے۔ وہ ملائکہ نوری نہ تھے یا بشری لباس میں نہ تھے۔ ابراہیم اور لوط علیہما السلام نے کیا ان کو آدمی نہ سمجھا۔ اور حقیقت سے واقف ہونے کے بعد ان کو نوری تسلیم کیا۔ اور کیا قوم لوط کے لئے ان کے عمل کو عذاب کی صورت میں نہ دیکھا اور پھر جب واپس ہوتے تو

کیا وہ ملائکہ نوری نہ تھے۔ اگر تھے اور یقیناً تھے۔ تو سرکار انبیاء محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کو بشریت کے پردے میں آنے سے یا بشریت کو نورانیت کی حقیقت میں گم ہونے سے کون سا استحالہ لازم آتا ہے۔ فافہم۔

مبشّرات

حق و صداقت میں کچھ ایسی مقناطیسی طاقت ودیعت ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنی تاثیر کے لحاظ سے قلوب و ارواح کو خود بخود اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ بشرطیکہ قلوب و ارواح پر فطری حجابات نہ ہوں اور کسی خاص جذبے یا عقیدے نے ان پر تقلید آبائی اور تعصب کے سبب سے علوم و حقائق تک رہنمائی کے دروازے بند نہ کر دیئے ہوں۔ کیونکہ فطرت صحیحہ کو جو چیز مسخ کرتی ہے اور قلب کے آئینہ جہاں نما کو زنگ آلود کر دیتی ہے وہ صرف تعصب ہے جیسا کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہر ایک قلب باعتبار اپنی فطرت کے حقائق اشیاء کے دریافت کرنے کی صلاحیت و استعداد رکھتا ہے کیونکہ وہ ایک امر ربی ہے۔ تمام جواہر عالم پر اپنی اس شرافت و خاصیت کی وجہ سے فوقیت رکھتا ہے اور اس کی اسی صلاحیت و استعداد کی طرف یہ آیت مبارکہ اشارہ بھی کرتی ہے۔ انا عرضنا الامانۃ الآخر۔ یعنی یہ استعداد نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں اور نہ پہاڑوں میں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ تعصب کو فطرت صحیحہ کے لئے حجاب اور علوم وادراک کے ادراک کی راہ میں روک بنا کر کسی دوسرے مذہب یا انسان کی کسی خوبی کے اعتراف اور کسی حقیقت کے تسلیم کرنے کی مطلق گنجائش ہی نہ سمجھی جائے۔

چونکہ تعصب اور تنگدلی کا اندھا جوش کسی حقیقت اور سچائی تک نہیں پہنچنے دیتا۔ بنا بریں اگر غیر مذاہب والوں سے اسلامی تعلیمات اور بانئے اسلام کی ذات و صفات سے متعلق اچھی رائے کا اظہار کرنا اور ان کی خوبیوں کا معترف ہونا ثابت ہو جائے تو یہ حضور علیہ السلام کی صداقت کا وہ روشن اور مہتم بالشان ثبوت ہے جو متلاشیان حق و صداقت کے لئے مشعل راہ کا کام دے سکتا ہے۔ درحقیقت سچائی وہی ہوتی ہے جس کا اعتراف دشمن بھی کرے۔

اس مختصر سی گذارش کے بعد فقیر سرور کائنات مفخر موجودات فخر شش جہات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت دیگر مذاہب کے حضرات کی کتب سے مختصراً وہ اذکار و اقتباس پیش کرتا ہے جن سے حضور علیہ السلام کی وہ حقیقت اعلیٰ آشکار ہو جائے جس کی بنا پر ایک سچا اور پکا مسلمان

حضور کو سید الانبیاء ۔ افضل الرسل اور خاتم النبیین مانتا ہے ۔ چنانچہ

۱۔ بھوشیہ اُتر پران کے مصنف بیاس جی جو ایک مشہور ہندو رشی ہیں ۔ لکھتے ہیں کہ آئندہ زمانے میں مہامت پیدا ہوں گے ۔ ان کا نشان یہ ہوگا کہ ان کے سر پہ بدلی سایہ کرے گی اور ان کے جسم کا سایہ نہ ہوگا ۔ وہ دنیا کے لئے کچھ تلاش نہ کریں گے ۔ ان کی سب تلاش دین کے لئے ہوگی ۔ جو کچھ پیدا کریں گے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں گے ۔ تمام عمر کم کھائیں گے ۔ عرب کے سردار ان کے دشمن ہوں گے اور وہ اللہ کے دوست ہوں گے وہ قادر و قار ان کو تمیں اودھیا پران بھیجے گا ۔

۲۔ کلکی پران میں دس اوتاروں کا ذکر لکھا ہے ۔ جن میں ایک اوتار کا نام کلکی ہے ۔ اس کے متعلق یوں وضاحت ہے کہ کلکی اوتار ظاہر ہوں گے (۱) ان کے باپ کا نام وشنو یس یعنی عبداللہ ہوگا (۲) ان کی ماں کا نام سومتی یعنی امن امان والی ۔ بھوسل گئی یا آمنہ ہوگا ۔ (۳) وہ غار میں تپسیا کریں گے (۴) پرش رام یعنی روح الامین سے تعلیم پائیں گے (۵) اپنے وطن سے ہجرت کریں گے (۶) تمام نیک اور پاک لوگوں کی تصدیق کریں گے ۔

۳۔ رگوید منتر میں آپ کا نام احمد اور یجر وید میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم لکھا ہے ۔ اور لکھا ہے ۔ لا الہ ھرلی پاپن الا اللہ پرم پدم جنم بیکنٹھ پراپت ھوئی جپئے نام محمدم ۔ یعنی لا الہ الا اللہ کہنے سے پرم پدم ملتے ہیں جنم بیکنٹھ ہونا چاہو تو نام محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا وظیفہ کرو ۔

۴۔ اتھروید میں آیا ہے ۔ برھمانی الاھ الھسول محمد رہ کم برشی یعنی پیدا کرنے والا اللہ ہے ۔ رسول محمد زور آور کا کون ہے اس کی برابر کا ۔

۵۔ سام وید میں یوں لکھا ہے ۔ کہ مہو دا بتاد بھاواگاؤ رانتی بتستنا لنفونامک بھکھانیو سدا بید مناستر سے شرُتبا ۔ یعنی جس بزرگ کے نام کا پہلا حرف میم اور آخری حرف دال ہوگا اور اس کے پیرو گؤ بھکشن (ذبیحہ گاؤ) کرتے ہوں گے وہی وید شاستر کی رُو سے پرا رشی ہے ۔

۶۔ اتھر وید کانڈ ۱۹ میں ہے ۔ باہیج محمد بھگت اجاائیں یعنی محمد کے بغیر بندگی منظور ہے

۷۔ گوسائیں تلسی داس لکھتے ہیں ۔ کاشی پربت بادھن تیرتھ سبھی ناکام
بیکنٹھ باس نہ پائی بنا محمد نام

۸۔ جنم ساکھی کلاں ص۱۴۱ میں ہے ۔ پاک پڑھیو کلمہ رب دا محمد نال ملائے

اوہ معشوق خدا پیدا ہویا کل الا ہے

۹۔ پرتھی راج سنگھ رام چھپی کانڈ منتر ۲۱۱ میں گوسائیں تلسی داس جی فرماتے ہیں ۔ کہ

یہاں نہ کچھ بات میں راکھوں　　بید پران سنت مت بھاکھوں
برہمس وش سندام ہوئی　　بیتہ کی بات نہ پاوے کوئی
دیس عرب پھر کہتا سہائی　　سو قتل بھو نیں گت سنو کھک ائی
سنبھو سمت تاکر ہوئے　　سندام اودیس تھتھتھ سبھوئی
سمت بکرم کی دو دانگا　　مہا کوک نس چھتیر ساگا
راج ہنٹ بھو پریت دکھاوے　　اپن مت سب کو سمجھاوے
تب لگ جے سندام چہ کوئی　　بنا محمد پار نہ ہوئی

ترجمہ :۔ طرفداری نہیں جو وید میں لکھا ہے صاف کہوں گا ۔ دس ہزار برس میں رسالت تمام ہوگی پھر کوئی نہ پا سکے گا ۔ عرب میں ایک خوشنما ستارہ اور بابرکت زمین ہوگی ۔ معجزے ظاہر ہوں گے اور نبی اللہ کو قاسم کہا جائیگا ۔ سمت بکرماجیت کی سمندروں کی تعداد کے برابر والی صدی میں پیدا ہوگا اور اولو العزمانہ قاعدے پر اپنا مذہب سب کو سکھائے گا ۔ اور اس سے دین کے جاری رہنے تک بغیر محمد کے کوئی پار نہ ہوگا ۔

۱۰۔ بابا گرو نانک لکھتے ہیں :۔ توریت ۔ زبور ۔ انجیل ۔ ترے سن ڈٹھے وید
ہے قرآن کتاب کل جگ میں پروار

یعنی توریت ۔ انجیل ۔ زبور کو ہم نے بغور دیکھا ہے اور ویدوں کو بھی ۔ مگر دنیا کے لئے جو کتاب ہدایت کامل کا موجب ہو سکتی ہے وہ قرآن ہے ۔

پھر لکھا دربار صاحب ص ۵۲۳ میں :۔

جگ میں مورکھ بندہ کیا بوجھے　　اندھے کو دیکھ کیا سوجھے
بن احمد کچھوے بھید نہ پائیو　　مورکھ اندھا گنوار کہلائیو
الف احد سے احمد بھیو　　ایسا بھید کچھو نہ لیو
احمد بھیو احد کے رنگا　　جیسی جوت چاند کی سنگا

۱۱۔ جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۳۰۶ میں آتا ہے ۔ کہ

اول آدم مہیش ہوئے دو جا برہما ہوئے　　تیجا آدم مہاو یو محمد کہے سب کوئے

۱۲۔ سیدنا عیسے علیہ السلام کی بشارتوں سے بعض اس طرح پائی گئی ہیں ۔ مثلاً انجیل یوحنا باب ۱۴ ۔ آیت ۱۶ میں ہے

آپ نے فرمایا ہے اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی سچائی کی وہ روح جس کو دنیا حاصل نہیں کر سکتی۔ پھر باب ۱۴۔ آیت ۳۰ میں فرمایا "اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے۔ تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئیگا لیکن اگر میں جاؤں گا تو وہ تمہارے پاس بھیج دوں گا جب وہ سچائی کی روح آئیگی تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گی"۔

۱۴۔ انجیل برنباس فصل ۹۶ ص ۱۴۲ میں ہے "مسیح سے کاہن نے جواب میں کہا۔ کہ موسیٰ کی کتاب میں لکھا ہے کہ ہمارا اللہ عنقریب ہمارے پاس ایک مسیحا بھیجے گا جو ہمیں اللہ کے ارادے کی خبر دینے آئیگا۔ اور دنیا کے لئے رحمت کا پیغام لائے گا۔ اس لئے تو بتا۔ کیا تو وہی اللہ کا مسیحا ہے۔ تو یسوع نے جواب دیا۔ کہ حق یہ ہے کہ اللہ نے ایسا ہی وعدہ کیا ہے۔ مگر میں وہ نہیں ہوں۔ وہ مجھ سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور مجھ سے بعد کو آئے گا۔

پھر اسی انجیل برنباس فصل ۹۷ ص ۱۴۶ میں ہے "مسیح نے کہا، میری تعلیم نجس ہو جائے گی۔ قریب قریب تیس ۳۰ مومن بھی باقی نہ رہیں گے۔ اس وقت اللہ دنیا پر اپنا رحم کریگا۔ اور اس رسول کو بھیجے گا جس کے لئے سب چیزیں پیدا کی گئی ہیں۔ جو اس پر ایمان لائے گا وہ مبارک ہوگا (پھر فرمایا) باوجود اس کے کہ میں اسکی جوتی کا تسمہ کھولنے کا بھی مستحق نہیں ہوں۔ میں نے خدا کی طرف سے نعمت اور رحمت کے طور پر یہ رتبہ پایا ہے۔ کہ اس کو دیکھوں"۔ اس وقت کاہن نے کہا۔ مسیحا کا نام کیا رکھا جائیگا تو یسوع نے جواب دیا کہ مسیحا کا نام محبوب ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے جس وقت اس کی ذات کو پیدا کیا تو اسے آسمانی روشنی میں رکھا۔ اللہ نے کہا اے محمد تو صبر کر میں تیرے ہی لئے جنت اور دنیا اور مخلوقات کی بڑی بھیڑ جو تجھے بخشوں گا پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور جس وقت میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تجھے اپنا رسول بناؤں گا میرا کلام سچا ہوگا۔ زمین و آسمان کمزور ہو جائیں گے مگر تیرا ایمان کمزور نہ ہوگا۔ اور اس کا نام مبارک محمد ہے۔

۱۵۔ بر باب ۱۶۔ آیت ۳۵ میں ہے۔ کہ میں تم کو پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے قوی تر ہے۔ وہ تمہیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دیگا۔ ایسے ہی انجیل متی باب ۳ میں ہے

۱۶۔ کعب احبار اپنے والد کی وفات اور تورات کے دو ورقوں کا قصہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ ان

دو ورقوں میں لکھا تھا۔ محمد رسول اللہ خاتم النبیین لا نبی بعدہٗ۔

۱۶۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ کہ میں نے ابو مالک ابن سنان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں ایک روز قبیلہ بنی عبد الاشہل میں گیا تو یوشع یہودی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک نبی کے پیدا ہونے کا زمانہ قریب آگیا ہے جن کو احمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کہا جائے گا جو حرم میں پیدا ہوں گے۔ پھر ابو مالک بن سنان کہتے ہیں کہ وہاں سے میں بنو قریظہ میں پہنچا تو ایک جماعت دیکھی جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر رہی تھی۔ ان میں سے زبیر بن باطا نے کہا کہ کوکب احمر طلوع ہو چکا ہے۔ اور یہ ستارہ جبھی طلوع ہوتا ہے جب کوئی نبی پیدا ہوتا ہو۔ اور اب احمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی پیدائش باقی نہیں رہی۔ اور یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے۔

۱۷۔ خصائص کبریٰ میں امام سیوطی نے امام شعبی کی نسبت ذکر کیا ہے۔ کہ صحیفہ ابراہیم علیہ السلام میں لکھا ہوا تھا۔ انہٗ کائن من ولدک شعوب وشعوب حتی یاتی النبی الامی الذی یکون خاتم الانبیاء۔ یعنی آپ کی اولاد میں قبائل در قبائل ہوتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ نبی امی آجائیں اور وہ خاتم الانبیاء ہوں گے۔

۱۸۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی۔ کہ تم میرے بعد خلیفہ ہو گے تقویٰ اور عروۃ الوثقیٰ کو لازم پکڑنا۔ اور خدا کے ذکر کے ساتھ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی لازم پکڑنا۔ کیونکہ وہ عرش پر اور ہر جگہ میں نے لکھا دیکھا اور وہی میری عفو کا باعث ہوا۔

۱۹۔ امام التفسیر ابن جریر طبری آیت کریمہ واخذ الالواح کے ماتحت ایک طویل حدیث نقل فرماتے ہیں جس سے تورات شریف میں ذکر محمد صلے اللہ علیہ وسلم ثابت ہوتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الوہیت میں عرض کیا۔ کہ اے میرے رب میں الواح تورات میں ایک ایسی امت کا تذکرہ پاتا ہوں۔ جو پیدائش میں سب سے آخری ہے۔ اور جنت میں داخل ہونے کو سب سے مقدم سو اسے میرے رب ان کو میری امت بنا دے۔ تو اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

ظہور نور

جب اللہ تعالیٰ نے نورِ محمدی کی حقیقت کو جسم و روح کے لحاظ سے ظاہر و باطن کے ساتھ ظاہر فر
چاہا تو اُسے حضرت آمنہ زہریہ کے صدفِ رحم میں اس کی جائے قرار پر منتقل فرما دیا اور اس قریب و عجیب
نے حضرت آمنہ کو خاص کر دیا کہ وہ اس کے محبوب مصطفےٰ کی ماں ہو اور آسمانوں اور زمینوں میں منادی
کر دی کہ آمنہ زہریہ ذاتِ محمدی کے انوار سے امیدوار و امانتدار ہو گئی ہیں۔ پھر ہر ایک عاشق اس کی خوش
کے چکھنے سے مشتاق ہو گیا اور ظہورِ نورِ محمدی کا انتظار کرنے لگا۔ مدتوں کی مُردہ زمین نے خشک سالی سے
نجات پائی۔ اور اس نور کی بارش سے روئیدگی کی مخملی پوشاک پہنی۔

جس شب کو یہ نور حضرت آمنہ کے بطنِ مبارک میں منتقل ہوا حضرت عبداللہ بن عباس رض
عنہما کی روایت کے مطابق اسی شب کائناتِ عالم میں ایک شورِ خرمی برپا ہو گیا۔ شجر و حجر، آفتا
ماہتاب، سیارہ و ثوابت، وحوش و طیور، برگ و بار، کائناتِ ارضی و فضائے آسمانی کا ذرہ ذرہ محوِ ان
ہوا اور شوقِ دیدارِ نبوی میں اضطراب کے پہلو بدلنے لگا۔

ابو نعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلی
علیہ وسلم کے ساتھ حضرت آمنہ کے حاملہ ہونے کی علامت یہ تھی کہ اس رات قریش کا ہر ایک چار پا
گویا ہوا اور بول اٹھا۔ کہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ماں کے پیٹ میں آ گئے
ہیں۔ کعبہ کے رب کی قسم وہ دُنیا کے امام اور علماء کے چراغ ہیں۔ اور دُنیا کے بادشاہوں میں سے کس
تخت نہ رہا۔ کہ اوندھا نہ ہوا ہو۔ آپ کے حمل کے مہینوں میں سے ہر مہینے میں آواز آتی تھی۔ کہ خوش
جاؤ کہ وہ وقت آ پہنچا ہے۔ کہ برکت والے ابو القاسم صلے اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوں۔

ابتدائے حمل ہی میں حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک پارۂ نور ہے۔ جو ان کے جسم
جدا ہو کر پوری ضیاء باریوں کے ساتھ جگمگا رہا ہے۔ اور اس کی روشنی میں ارضِ شام کی بستیاں
صاف نظر آ رہی ہیں۔ ابو نعیم سے روایت ہے کہ حمل شریف سے چھ ماہ کے بعد کوئی آنے والا حضرت آ
کے پاس خواب میں آیا اور کہا کہ اے آمنہ۔ بیشک تیرے پیٹ میں خیر العالمین ہیں۔ جب وہ پیدا ہو
ان کا نام محمد رکھنا۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ وضعِ حمل کے ساتھ آپ کا جسمِ اطہر بیدِ لرزاں کی طرح کا
لگا۔ ولادت کے وقت بام و در جگمگا اٹھے۔ اور اسی روشنی میں میں نے دیکھا کہ ملائکہ کی ایک جماعت

باندھ کر کھڑی ہے جس کے ہاتھوں میں عنبر و مشک کی فردوسی پیالیاں ہیں۔ اور ان کے آگے حور پیکر
نازنینوں کے جھرمٹ جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے نور ہی نور چھایا ہوا ہے۔ اور اس نور کی ضیاپاشیوں میں حجابات
آنکھ سے اوجھل ہو کر بالکلیہ عالمِ غیب کی پیشوائیوں کے مناظرِ جمیل سامنے نظر آ رہے تھے ولادت کے بعد
پیہم و متصل ایسے کرشمے پیدا ہوئے اور فضاؤں کو منور کرنے لگے۔ خود حضرت عبدالمطلب آپ کے دادا
نے صحنِ مکان میں قدم رکھا تو مشاہداتِ عجیب و غریب دیکھ کر ڈرنے لگے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں
اور کھلی آنکھوں دیکھا کہ دروازہ پر ایک مرغِ سفید پر پھیلائے بیٹھا ہے۔ جس کی روشنی سے مکہ کی تمام پہاڑیاں
جگمگا رہی ہیں۔ فاطمہ ثقیفہ نے مکہ والوں بلکہ ساری دُنیا والوں سے کہا کہ حضرت کے وضعِ حمل کے وقت میں
موجود تھی میں نے دیکھا کہ ایک پارۂ نور آمنہ کے جسم سے نکلا اور تمام فضائے بسیط کو منور کر گیا۔ حضرت
عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ کہ وضعِ حمل کے وقت اتنی تیز روشنی تھی کہ ہر طرف نور
ہی نور نظر آتا تھا۔ عام لوگ نہ سمجھیں۔ نہ جانیں نہ دیکھیں مگر روحانی آنکھیں ہمیشہ اس نور کو
دیکھتی رہیں اور دیکھتی رہیں گی۔

فاطمہ ثقیفہ بیان کرتی ہیں۔ کہ جب حضرت آمنہ کو دردِ زِہ شروع ہوئی تو اس وقت وہ اکیلی
تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک سفید پرندے نے ان کے دل پر مسح کیا پس ان کا خوف و ہراس جاتا
رہا۔ پھر ان کے پاس سفید شربت لایا گیا جس کو پی لیا۔ اور اس سے ایک بے پناہ نورانیت پیدا ہوئی پھر
ان کے پاس کھجور کی طرح لمبی چند عورتیں آئیں جنہوں نے ان کو گھیر لیا۔ آمنہ فرماتی ہیں میں نے ان سے
پوچھا تم کون ہو۔ اور تم نے مجھے کہاں سے جان لیا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم ایک حضرت حوا۔ دوسری
حضرت مریم۔ تیسری آسیہ فرعون کی بیوی اور باقی حورانِ بہشتی ہیں۔ پھر عجیب ترین نور بھرے پرندوں
کا ایک غول آیا جس نے سارے مکان کو ڈھانپ لیا۔ اور اس نور کی بارش میں رحمۃ اللعالمین پیدا
ہوئے وصلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ واصحابہ وسلم پس دیکھا گیا کہ حضور
تضرع و زاری کرنے والے شخص کی طرح سجدہ کر رہے تھے اور اپنی دونوں انگلیوں کو آسمان کی جانب
اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر حضرت آمنہ نے دیکھا کہ ایک سفید بادل نے حضور کو ڈھانپ لیا اور آمنہ سے آپ
کو غائب کر دیا پس آمنہ نے ایک کہنے والے کو یہ کہتے سنا۔ کہ آپ کو زمین کے مشارق و مغارب میں گشت
کراؤ اور سمندروں میں پھراؤ تاکہ وہ ان کی حیثیت و صورت سے جان لیں۔ کہ کوئی شرک باقی نہ رہے گا جو
ان کے زمانہ میں مٹایا نہ جائے گا۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم گندگی کی
آلائشوں سے پاک۔ قدرتی طور پر ختنہ کیے ہوئے اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ آپ کا چہرہ انور شستہ و

منور اور دونوں آنکھیں عنایت الٰہی سے سرمگیں تھیں۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آلِ محمّد

حضور علیہ السلام کا بچپن اور رضاعت

سرور کائنات فخر موجودات مختار شش جہات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعہد نوشیرواں عادل کہ اس آغاز عہد سے چالیس سال گزرے تھے ماہ ربیع الاول بروز دوشنبہ بوقت صبح صادق آفتاب سے پہلے کتم غیب سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ پوری کی پوری کائنات نے اس ظہور قدسی پر ادب احترام سے سر جھکایا۔ فضائے بسیط میں ایک شور مسرت و شادمانی بلند ہوا کیونکہ حضور کل کائنات کے [illegible] تھے۔ تاریخ پیدائش میں بعض علما سیر نے اختلاف کیا ہے۔ کوئی ماہ ربیع الاول کی آٹھویں اور کوئی بارھویں بتاتا ہے مگر صحیح یہی ہے کہ بارہویں ربیع الاول تھی اور بارہ ہی ماہ اپریل ۵۷۱ء تھی جس سال آپ پر تشریف لائے وہ سال عام الفیل کہلاتا ہے جس میں ابرہہ بادشاہ یمن نے خانۂ کعبہ کو گرانے کے لئے حرم کعبہ و مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا چونکہ وہ بڑے بڑے کوہ پیکر ہاتھیوں سے حملہ آور ہوا اور ابابیلوں سے مروا کر اس کے شر کو دفع کر دیا گیا تھا۔ اور اس کے ہاتھیوں اور لشکر کی تباہی کی نسبت سے اس سال کا نام عام الفیل (ہاتھیوں والا سال) رکھا گیا جس کا مفصل ذکر سورہ فیل کے ماتحت مفسرین نے تفسیر میں لکھا ہے۔ یہ عام الفیل والا واقعہ زمانۂ ہجرت سے ترپن ۵۳ سال قبل وقوع میں آیا تھا اور اس واقعہ کے پچپن روز بعد حضور پر نور کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حضور کے فضائے عالم میں تشریف لانے سے پہلے شفیق باپ کا سایۂ عاطفت اٹھارہ برس کی عمر میں ہی سر سے اٹھ گیا تھا مگر دادا آپ کے زندہ تھے۔ جو مرحوم بیٹے کی نشانی جان کر نہال ہو رہے تھے۔ اور ماں بیحد مسرور تھیں کہ مرنے والے کی یادگار سے گود ہری ہو گئی ہے۔ ساتویں روز حضرت عبدالمطلب آپ کے دادا نے بڑی دھوم دھام سے عقیقہ کیا اور تمام قریش کو ایک پرتکلف و شاندار دعوت دی۔ بسبب [illegible] ہوئے مبارکباد کی صدائیں بلند ہوئیں۔ لوگوں نے پوچھا برخوردار کا نام کیا تجویز ہوا ہے۔ فرمایا محمد۔ [illegible] ہر ایک دنیا بھر کی توصیف و ستائش کا مستحق ہو مگر وہ نہ جانتے تھے کہ یہ نام میں نہیں رکھ رہا۔ بلکہ خود قدرت خداوندی ایک حقیقت کا اعادہ کرا رہی ہے۔

رضاعت: آپ نے یوم پیدائش سے سات روز تک اپنی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون کا دودھ پیا۔ بعد ازاں ثوبیہ ابولہب کی کنیز نے یہ خدمت انجام دی۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بیجا نہ ہوگا کہ یہ ثوبیہ وہی کنیز ہے جس نے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خبر آپ کے چچا ابولہب کو پہنچائی تھی۔ اور اس نے ذوق خوشی سے اس کو آزاد کر کے حضور علیہ السلام کے دودھ پلانے کا حکم دیا تھا جس کے باعث رب العزت جل جلالہ نے روز دوشنبہ کو کہ روز ولادت باسعادت حضور علیہ السلام ہے ابولہب سے عذاب قبر [illegible] تخفیف کیا نیز یہ بھی کتب معتبرہ میں ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام برعایت حق رضاعت ثوبیہ کا خاص اکرام فرماتے تھے۔ اور مدینہ طیبہ سے اس کے لئے تحائف و انعام ارسال فرمایا کرتے تھے ثوبیہ کے اسلام میں شک ہے بعض محدثین تو اس کو صحابیات میں شمار کرتے ہیں۔ اور بعض ان کے مشرف بہ اسلام ہونے کے قائل نہیں۔

ثوبیہ کے دودھ پلانے کے بعد حسب قاعدہ عرب کے شہروں کے رئیس اپنے بچوں کو پرورش کے لئے دیہات و قریات میں بھیج دیا کرتے تھے۔ آپ کو حلیمہ سعدیہ بنت ابی ذویب زوجہ حارث بن عبدالعزیٰ کے سپرد کر دیا گیا۔ جو علاقہ طائف سے قبیلہ بنی ہوازن کی چند عورتوں کے ساتھ اسی غرض کے لئے مکہ میں آئی ہوئی تھیں۔ حلیمہ سعدیہ غریب اور نادار تھیں۔ مگر جس روز سے وہ حضور علیہ السلام کو ساتھ لے کر واپس ہوئیں انہوں نے معلوم کیا کہ میں قریش کا ایک یتیم بچہ نہیں لائی بلکہ دولت کونین لے آئی ہوں۔ روز بروز حالت بہتر ہوتی گئی اور بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ بڑھنے لگے۔ دودھ میں کبھی کمی نہ آئی اور مال و دولت میں اضافہ ہوتا چلا گیا حلیمہ اور اس کے بچوں کی محبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہر لحظہ بڑھتی رہی حلیمہ کی بیٹی شیما آپ کو بہلایا اور دن بھر کھلایا کرتی تھیں۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں۔ کہ آپ نے چھ سال تک حلیمہ سعدیہ کی آغوش میں پرورش پائی حلیمہ کہتی ہیں کہ آپ اور بچوں کی طرح نہ بے وقت روتے نہ پریشان کرتے اور یہ تو کبھی [illegible] ہوا۔ آپ نے اپنی کھولی [illegible] کبھی پیشاب کیا ہو۔ بول و براز وقت پر کرتے۔ دودھ وقت پر پیتے اور دن بھر [illegible] شیما کی گود میں مسکرایا کرتے سب سے قابل ذکر یہ بات ہے کہ دودھ پیتے وقت ہمیشہ آپ نے [illegible] اور بائیں طرف کا دودھ ہمیشہ اپنے بھائی (دودھ شریک) کیلئے چھوڑ دیا۔ آپ کے چار رضاعی بہن بھائی تھے ایک شیما بہن تھی اور [illegible] عبداللہ انیسہ اور حذیفہ بھائی تھے۔ حضرت شیما کے متعلق یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ کہ وہ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ مگر اوروں کے متعلق پتہ نہیں چلتا۔ البتہ آپ کے رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ کی تحقیق [illegible] ہے۔ کہ وہ اعلان نبوت سن کر فوراً مکہ معظمہ تشریف لے آئے۔ اور آنحضور سے مل کر اسلام قبول کر لیا۔

جب عمر مبارک چھ برس کی ہوئی۔ اور آپ حلیمہ سعدیہ سے واپس آئے تو آپ کی والدہ ماجدہ اپنے [illegible] والوں سے ملنے کی غرض سے آپ کو مدینہ طیبہ لے گئیں آپ ایک ماہ تک یہیں مقیم رہے۔ واپسی پر مقام [illegible] میں آپ کی والدہ ماجدہ بیمار ہو گئیں اور وہیں بعمر بیس ۲۰ سال انتقال فرمایا۔ اور وہیں مدفون ہوئیں۔ [illegible] سے آپ کو آپ کی خادمہ برکہ (جن کو ام ایمن بھی کہتے ہیں)۔ آپ کے جد امجد خواجہ عبدالمطلب کے

پاس لائیں۔ جو جان و دل سے آپ کی پرورش میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ جب عمر مبارک حضور کی آٹھ برس
دو مہینے اور دس روز کی ہوئی تو آپ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب نے بھی بروایت بیاسی برس اور
بقولے ایک سو چھبیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ جب حضرت عبدالمطلب کا جنازہ چلا تو اس کے ساتھ
حضور بھی چشمان مبارک میں آنسو بھرے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ حضور کے لئے دادا کی موت اس لحاظ
سے اور زیادہ صدمہ انگیز ثابت ہوئی کہ اس موت سے اقتدار ہاشمی پر وہ چوٹ پڑی کہ بنو امیہ بنو ہاشم
پر غالب آگئے۔ جد امجد کی موت کے بعد آپ کی کفالت آپ کے عم مکرم ابو طالب نے کی اور نہایت محبت
اور ہمدردی سے پدری محبت کے حقوق ادا فرمائے۔ عرب کی اخلاقی حالت جتنی خراب تھی اتنا ہی حضور کو
خرافات سے علیحدہ رکھا۔ مذموم صحبتوں سے بچایا اور کاروبار میں چلانے کے لئے کوشاں رہے۔ اور عرب کے
قاعدہ کے مطابق جب کبھی خود کاروباری سفر اختیار فرماتے حضور کو برنبائے واقفیت اپنے ہمراہ رکھتے۔
غرضیکہ آپ کا بچپن ہر لحاظ سے سلامت روی۔ ہوشمندی اور شرافت کا پورا مظہر تھا۔

آپ کی عالی نسبی

یہ ایک مشہور بات ہے کہ نسبی وجاہت کو ہر زمانہ میں اہمیت دی جاتی ہے اور اسے شرافت و وقار کا معیار
سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اعلیٰ خاندان میں عادات عالیہ پرورش پاتی ہیں اور اونے خاندان میں کمینگی اور رذالت کی
افزائش ہوتی ہے۔ اعلیٰ نسب کے لوگوں میں جہاں اخلاق کی پاکیزگی۔ تہذیب۔ سلیقہ شعاری۔ عقلمندی اور شرم
حیا کی بہتات و فراوانی ہوتی ہے وہاں مقابلۃً ادنیٰ خاندان کے لوگوں میں ذلیل معاشرت۔ بے غیرتی۔ بے شرمی۔
بد اطواری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اونچے خاندانی گھرانوں میں بعض خصائل و محاسن ایسے بھی ہوتے ہیں
کہ جن کی وجہ سے دنیا اس خاندان کے افراد کی عزت کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ برخلاف ادنے نسب لوگوں کے جن
کے لئے ذلت و نکبت اہل زمانہ کی نگاہوں میں مہر ہو چکی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہر زمانہ میں نسبی بلندی کو ترجیح دی
جاتی ہے اور اسے بڑائی کی علامت سمجھا جاتا ہے

عرب میں نسبی بلندی پر خصوصیت کے ساتھ فخر کیا جاتا تھا۔ اور انسان تو انسان رہے۔ اونٹوں
اور گھوڑوں تک کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ ہر طبقے کے بلند نسب لوگ اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں
کو جن کے نسب میں ذرا پستی پائی جاتی یوں سمجھتے کہ گویا وہ انسان ہی نہیں۔ یہ ایک وہ تباہ کن برائی تھی جن کے
ذریعے اعلیٰ خاندان ہر مقام پر اونچی نشست کو اپنی جاگیر سمجھتے اور پست خاندان پستی کی جانب آتے آتے انتہائی

گہرائیوں میں گر جاتے۔ اسلام نے اس مرض کا علاج کیا اور تیر بہدف نسخہ سے کیا کہ تم ایک مرد اور ایک عورت سے
پیدا کئے گئے ہو۔ تفاخر نسبی کوئی شے نہیں تمہارے شعوب و قبائل کنبے اور قبیلے گوتیں اور برنیں۔ تمہاری پہچان کے
لئے ہیں۔ تم میں سے زیادہ قابل تکریم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جو زیادہ متقی اور اللہ تعالیٰ کا زیادہ اطاعت
گزار ہو۔ مگر اس نسخہ کا فوری اثر نہ ہوا کیونکہ وہ زمانہ جھوٹی شرافت اور خود پسندیت کا زمانہ تھا۔ البتہ آہستہ آہستہ
اسلام نے گھر کر لیا اور دنیا اس نتیجہ پر پہنچی جہاں نسلی امتیاز ختم ہو گئی اور انسان پر حقیقت واضح ہو سکتی تھی
لیکن ابھی تک نسبت کی رو سے دنیا میں اگر نور محمدی بھی کسی ادنیٰ یا متوسط درجہ کے خاندان میں منتقل ہوتا
تو یقیناً جو شرافت پرست لوگ خاص اور بے عیب نور خداوندی پر اعتراض کرنے سے باز نہیں آئے وہ ضرور اس وقت
بھی زبان طعن دراز کرتے اس لئے سرکار انبیاء محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مولا کریم نے اس خاندان یک
قبیلہ اور اس گھر میں پیدا فرمایا۔ جو عرب میں سب سے بلند و بالا حیثیت کا حامل تھا۔ چنانچہ حضرت جبرئیل امین
علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ میں نے مشارق و مغارب کی سیاحت میں کسی انسان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل اور
کسی خاندان کو بنو ہاشم سے بلند درجہ نہیں پایا۔ اور اسی کے مطابق خود حضور علیہ السلام نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ کہ
رب اکبر جل وعلا شانہ نے مجھے ذاتی عظمت و سعادت کے علاوہ خاندانی عظمت و شرافت سے بھی ایسی سرفرازی عطا
کی ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین تک میرا تمام خاندان بدکاری۔ بداخلاقی اور بے حیائی
سے منزہ ہے۔

مواہب لدنیہ اور دیگر کتب میں بروایت حاکم و طبرانی و دیگر محدثین مروی ہے۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اول مسجد میں نشست اختیار کی اور ایک اجلاس عام فرمایا
جس کی نسبت حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے صحیح میں روایت کی ہے۔ پھر حضرت عباس بن عبدالمطلب
نے اجازت چاہی۔ کہ وہ کچھ کہیں۔ آپ نے دعائے خیر دے کر ان کو اجازت بخشی۔ تو انہوں نے چند اشعار
پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ قبل ولادت شریف آپ صلب آدم میں ایک عمدہ حالت میں تھے جہاں پیوند
لگائے جاتے تھے یعنے جنت میں۔ پھر آپ صلب آدم علیہ السلام میں حضرت آدم کے ساتھ زمین پر اترے۔ اس
وقت آپ بشر تھے نہ گوشت نہ خون جما ہوا بلکہ کشتی پر سوار صلب سام بن نوح علیہما السلام میں ایک نطفہ تھے
در انحالیکہ آپ نے بت نسر کو ڈبویا اور اس کے پوجنے والوں کو طوفان میں غرق کیا۔ آپ اسی طرح ایک عالم سے گزرتے
ہوئے دوسرے طبقہ میں ایک پشت سے ایک رحم میں تشریف فرما ہوتے رہے پھر آپ نے صلب خلیل علیہ السلام
میں نزول فرمایا تاکہ وہ آگ میں نہ جلیں۔ اور آپ اس وقت تک اصلاب کریمہ اور ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتے
رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا شریف نسب اولاد خندف بلند نسب میں شامل ہوا۔ در انحالیکہ اس میں اور طبقات بھی

تھے۔ پھر حضور کی ولادت باسعادت سے زمین چمک گئی۔ اطراف شام روشن ہوگئے اور اب ہم انھی آپ کے نور کی روشنی میں
ہدایت کے راستوں پر چل رہے ہیں۔ اور اسی طرح حدیث واثلہ بن الاسقع میں ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اولاد ابراہیم سے
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چن لیا پھر اولاد اسمٰعیل سے بنی کنانہ کو چنا پھر بنی کنانہ سے قریش کو خاص کیا اور قریش
سے بنی ہاشم کو چن لیا اور تمام بنی ہاشم سے فضیلت میں مجھے سرفراز فرمایا۔ سنن بیہقی میں ایک حدیث بروایت حضرت
انس بن مالک رضی اللہ عنہ یوں آئی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں ہوں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن
ہاشم بن عبدمناف یوں ہی اکیس پشت تک نسب نامہ مبارک بیان کر کے فرمایا کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوتے مگر یوں کہ
اللہ تعالےٰ نے مجھے بہتر گروہ میں پیدا فرمایا اس لحاظ سے میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا ہوں۔ کہ زمانہ جاہلیت کی
کوئی بات مجھ تک نہیں پہنچی اور میں آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے والدین تک خاص نکاح سے پیدا ہوا ہوں میرا نفس کریم
تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر ہیں۔

الغرض سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خاندانی عظمت پر جو کچھ بھی لکھنا مقصود ہو لکھا جا سکتا ہے۔ مگر اس
مختصر میں گنجائش نہیں۔ کیا یہ ایک ناقابل فراموش حقیقت نہیں۔ کہ حضور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور آپ
کا سلسلہ نسب انہی تک پہنچتا ہے "تاریخ شاہد ہے۔ کہ حضرت اسمٰعیل کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام قیدار تھا
پھر اسی قیدار کی اولاد میں عدنان تھے جن کی اولاد تمام حجاز پر پھیلی ہوئی تھی اور اس تمام اولاد عدنان میں بھی خاندان
نبوی کو ہمیشہ اور ہر زمانے میں ایک امتیازی حیثیت حاصل رہی اس اولاد عدنان میں وہ پہلا شخص جس نے سب سے پہلے
اس خاندان کو قریش کے لقب سے ملقب کیا وہ نضر بن کنانہ تھا۔ پھر نضر کے بعد فہر قصی بن کلاب کو اس عہد میں بڑا شکوہ
و اقتدار حاصل ہوا اور اسی شاخ مقتدر کے ایک ثمر حضور علیہ السلام بھی ہیں جن کی اس حقیقت کو کسی طرح بھی جھٹلایا جا سکتا
نہیں۔ سر ولیم میور جیسے متعصب یورپین مؤرخ کو بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ حضور نسل ابراہیمی سے ہیں۔ گو وہ اپنے عناد کے
باعث آپ کی بلندی نسب کے ساتھ آپ کے خاندان کو غریب اور مفلوک الحال کہہ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے مگر خاندان ابراہیمی
سے ہونے کا انکار نہیں کر سکا۔ کفار عرب نے بھی آپ کو غربت و عسرت۔ افلاس اور جادوگری کے طعنے تو دیے مگر تمام کے تمام
آپ کی نسبی شرافت پر حملہ نہیں کر سکے۔ اور کر بھی کیونکر سکتے جبکہ آپ انبیاء کی اولاد۔ جد انبیاء حضرت ابراہیم کی نسل۔ ہاشم
کے خاندان اور قریش کے ممتاز قبیلہ کے روشن چراغ تھے۔ مثل مشہور ہے کہ دشمن بات کہے انہونی۔ خاندانی عظمت
پر حملے کا ہاتھ نہیں پہنچا تو کہہ دیا کہ بلند نسب تو تھے مگر نادار غریب تھے۔ ان محققین سے کوئی پوچھے کہ خاندانی عظمت
کا اور غریبی اور امیری کا آپس میں کتنا جوڑ ہے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ جو اعلیٰ خاندان کا ہو وہ مادی طور پر امیر بھی ہو۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

حضور علیہ السلام کا شباب

مثل مشہور ہے کہ جوانی دیوانی ہوتی ہے اور یہ جب بن جائے تو متلاطم سمندر بن جاتی ہے۔ جذبات کا
وہ بے پناہ طوفان ہوتا ہے کہ انسان مدہوش ہو جاتا ہے۔ نیکی بدی کی تمام تمیزیں اٹھ جاتی ہیں۔ پھر بد بختی اگر
فضا اور ماحول بھی اس کے ساتھ سازگار ہے۔ جس میں بادہ نوشی و میخواری۔ زنا و فحش کاری۔ مستی و سرشاری
قمار بازی و جنگجوئی قوم کے پسندیدہ و قابل فخر مشاغل ہوں۔ ہر معصیت کی کثرت اور ہر گناہ کی فراوانی ہو۔ کسی
سیاسی و اخلاقی قانون کی حکمرانی نہ ہو۔ تو ایسی جوانی کا کیا کہنا۔ جو کچھ بھی کر گزرے جائز۔ جو گناہ ہوتا ہے اسی عالم
میں اور بے راہ روی ہوتی ہے اسی عمر میں۔ خدا ترسی و خدا خوفی کا وہم بھی نہیں ہوتا۔ معاصی و مناہی کے سمندر
امنڈتے ہیں اور ہر جوان انہی میں غوطے لگاتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا مزے کی بات کہی ہے۔ شعر

ندامت ہوگی محشر میں جن کے بدلے
جوانی کی دو چار نادانیاں ہیں

ایسے ہی متوالوں کی بستی میں جو اپنی جوانیوں کی تباہی کے لئے کوئی روک ٹوک نہ رکھتے تھے اور جن کا ماحول برباد صحبت
خراب۔ فضا مکدر۔ زمانہ انتہائی پر آشوب تھا۔ ایک قریشی نوجوان جس پہ ہر رعنائی۔ ہر خوبصورتی۔ ہر تنومندی اور
ہر وجاہت قربان ہو رہی ہوتی ہے پیدا ہوتا ہے۔ جس کی نگاہ بے اختیارانہ طور پر بھی کسی نامحرم کی طرف نہیں اٹھتی
اور شباب و جوانی کا پورا زمانہ تنہائی میں گذار دیتا ہے۔ شراب کے چھلکتے ہوئے جام اس کے لئے کوئی جاذبیت نہیں
نہیں رکھتے۔ قمار بازی پر وہ لعنت بھیجتا ہے۔ مسخری اور استہزاء سے پیدا ہی پرہیز ہے اور شاعری و افسانہ گوئی تک
سے متنفر یہ کیریکٹر ثابت کر دیتا ہے کہ فطرت سلیمہ کے آنے والے یوں اپنے دامن کو ناپاک باتوں سے بچایا کرتے ہیں
یہ جوان محمد بن عبداللہ اور عبدالمطلب کا پوتا ہے جس کی جوانی تمام خرافات و لغویات سے پاک۔ شرافت و پاکبازی
کا پیکر۔ اور تمام صفات محمودہ و محاسن ستودہ کا مجسمہ تھی سبحان اللہ۔

عرب جیسے ایک تباہ اخلاق خطہ میں رہ کر جہاں انسانی اخلاق مفقود ہوں اپنے دامن کو بغیر کسی تعلیم و تعلم
کے آلودگی ذمائم سے بچانا ایک وہ خوبی ہے جس پر اس وقت سے لے کر آج تک دنیا محو حیرت ہے۔ کہ وہ کیا تھا جس
کا دل اس وقت بھی ظالم کی بجائے انسانی جذبات کا گہوارہ تھا وہ کسی کو جو تکلیف ہوتی تھی کسی کی کراہ
سنتے ہی دل سے آہ نکلتی تھی۔ یتیموں کی امداد مصیبت زدوں کی دستگیری۔ بیکسوں کی خدمت اس کا شعار تھا

جس سے ملتا خوش ہو کر ملتا اور جس سے مخاطب ہوتا اس کو مسرور فرما دیتا۔ کوئی مصافحہ کرنے والا اگر مصافحہ
کرتا تو وہ اپنا دست مبارک اس وقت تک نہ پیچھے ہٹاتا جب تک وہ خود نہ چھڑا لیتا۔

ظاہر ہے کہ انسان ایک حالت پر کبھی قائم نہیں رہتا یا تو وہ محاسن اخلاق میں ترقی کرتا رہتا ہے یا
دائم اخلاق کی جانب قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ یہی حالت اس مقدس نوجوان کی تھی جس کے دل میں ہمدردی
کے جذبات ابھرے تھے کسی کی تکلیف دیکھنی گوارا نہ تھی سارے جہان کا درد ایک اپنے جگر میں سمجھائے
ہوئے تھا۔ دلجوئی و ہمدردی عفو و درگزر۔ مروت و سیر چشمی۔ فیاضی و بخشش۔ دریا دلی و کرم نوازی
اس کی سرشت میں داخل تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ عیب کو عیب اور ثواب کو ثواب سمجھنے والی دُنیا نے جب
دیکھا۔ کہ یہ جوان واقعی تمام بداخلاقیوں سے مبرا اور کذب و فریب سے منزہ ہے تو ان کے قلوب قاسیہ بھی
متاثر ہوئے اور انھوں نے متفقہ طور پر اس کو الامین کا خطاب عطا کر دیا اور سب اس کو عزت
کی نظر سے دیکھنے لگے۔ وصلی اللہ علی حبیبہ محمد والہ واصحابہ وسلم۔

عرب میں دوسری بداخلاقیوں کے علاوہ ایک مصیبت یہ بھی تھی۔ کہ وہاں کے رہنے والے ہر وقت
جنگ و جدال اور قتل و غارت کے عادی ہو چکے تھے۔ ہر لحظہ ان میں بدامنی اور شورشوں کے طوفان اُٹھتے اور
جھگڑے جھمیلے ان کے لئے وبال جان بنے رہتے۔ کوئی فرد واحد بھی ایسا نہ تھا جو اس سلب و نہب سے
اپنے آپ کو محفوظ سمجھے یا سراسیمہ و پریشان نہ ہو۔ بات بات پر تلواریں بے نیام ہو جاتیں اور خون کی ندیاں بہنے
لگتیں۔ مگر اس کا کوئی علاج نہ تھا اور نہ ہی کوئی یہ سوچ سکتا تھا۔ کہ آخر یہ بے راہرو قوم کیونکر راہ راست
پر آئے گی اور کیونکر اس کی یہ خرابیاں دُور ہوں گی۔ سوچنے والا سوچتا بھی کیا۔ کسی کو ہدایت وہ کر سکتا ہے
جو خود ہدایت کی راہ پر گامزن ہو۔ اوروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت کے مقولہ پر اصلاح ہمیشہ
غیر ممکن ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولا کریم نے مخلوق کی راہنمائی کے لئے کتب سماوی کے ساتھ ساتھ عملی نمونے
روانہ فرمائے۔ جو ان کتب سماوی کے بولتے چالتے ترجمے اور عملی تفسیریں بن کر کام کرتے رہے۔ کیونکہ محض
علم انسانی اصلاح کے لئے بیکار ہے۔ جب تک اس کے ساتھ عملی نمونے نہ ہوں۔ کتاب کسی کو ہدایت پیش
کر سکتی ہے مگر ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتی۔ قانون کسی جرم کے عوض میں مجرم کو بیڑیاں ڈال سکتا ہے۔ مگر
جرم سے باز نہیں رکھ سکتا۔ آخر عرب کی اس حالت زار کو دیکھ کر دل بھر آیا اور مکہ کا یہی امین آگے بڑھا
(اس لئے کہ اس کی اپنی کتاب عمل اتنی پاک تھی کہ وہ دوسروں کو ہدایت پیش کرنے کا حقدار تھا) اس نے
لوگوں کو جمع کیا۔ بڑے بوڑھوں کو بلایا۔ اکابرین کو دعوت دی اور ان کے سامنے ملک و قوم کی بدامنی، بدحالی
زبوں حالی کا کچھ ایسا خوفناک۔ موثر اور عجیب نقشہ پیش کیا کہ سب کے دل ہل گئے اور مان گئے کہ

حقیقتاً جو کہا گیا ہے سو فیصدی صحیح ہے۔ بگڑ گیا تھا۔ احساس نقص ہو تو علاج بھی ہو جاتا ہے۔ اسی جلسہ
اور اسی صحبت میں نگرانی حقوق اور قیام امن کے لئے ایک با اقتدار انجمن قائم ہو گئی جب کوئی ملک و قوم
کے لئے اہم صورت پیش آجاتی۔ کوئی انتظام کرنا ہوتا یا جنگ و صلح کی کوئی گفتگو ہونی ہوتی تو پہلے یہاں
ہی زیر بحث آتی اور اسی میں بعد مشورہ کے انجام پذیر ہوتی۔ اس انجمن میں بنو اسد۔ بنو زہرہ۔ بنو مطلب
بنو ہاشم۔ بنو تمیم سب قبائل شامل تھے اور اس مجلس کے ہر ممبر سے عہد لیا جاتا۔ کہ وہ بدامنی ملک کے
انسداد کے لئے ہر امکانی سعی سے کام لے گا۔ اور مسافروں مہمانوں۔ راہگیروں کی حفاظت میں مستعد
رہے گا۔ غربا و ضعفا کی دستگیری کرے گا۔ ظالموں سے مظلوموں کے بچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھے گا
اس انجمن نے نہ صرف مکہ بلکہ تمام عرب میں بسلسلہ قیام امن گرانقدر خدمات انجام دیں جن کا اہل عرب تصور
بھی نہ کر سکتے تھے۔ یہ سب کچھ اسی جوان کے ذہن خداداد کا کرشمہ تھا جس کا ذکر اظہار نبوت کے بعد بھی
کبھی کبھی شوق سے فرمایا جاتا تھا۔

آپ نے معلوم کر لیا ہے۔ کہ اس جوانِ رعنا کی جوانی اور بہار کا زمانہ کیسا گزرا۔ گویا اظہار نبوت
سے پیشتر ہی اس میں تمام قائدانہ جوہر موجود تھے۔ ملک کی سیاست۔ قوم کے معاملات اور معاشرت
کی اصلاح میں پورا پورا انہماک تھا۔ پچیس سال تجرد و تنہائی میں پاک زندگی گزارنے کے بعد شادی خانہ آبادی
کا سلسلہ کیا جس کے حقوق کو پوری ذمہ دارانہ سعی سے ایسا نباہا جو تمام دُنیا کے واسطے ایک قابل
تقلید چیز ہے۔

حضورؐ کی ازدواجی زندگی

تمام مخلوق کی ترکیب پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر اس ترکیب میں اعتدال ہے
تو ہر چیز اپنی حالت پر قائم ہے اور اگر اعتدال نہیں تو آج بھی اور کل بھی قریب بہ زوال سمجھنی چاہئے
گویا ہر چیز کی ترکیب کا اعتدال ہی اس کی جان ہے۔ اگر کروں تک کی کشش اپنے طبعی اعتدال
سے ذرا منحرف ہو جائے تو سارا جہان تہ و بالا ہو جائے گا۔ آفتاب و ماہتاب ٹکرانے لگیں گے اور کوہ و
دریا ذرے بن بن کر اُڑ جائیں گے۔ جس طرح فطرت کی جان فطرتی اعتدال ہے۔ ایسے ہی مذہب کی
جان مذہبی اعتدال ہے۔ اور مذہب ہی پر کیا موقوف ہے۔ ہر کام چاہے دنیوی ہو یا دینی سب میں
اعتدال ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ورنہ حقیقی کامیابی محال ہوگی۔

بنا بریں حضور علیہ السلام نے عورت اور مرد کے حقوق کی جو تقسیم و توضیح فرمائی ہے وہ
سراسر اعتدال ہی پر مبنی ہے۔ اور صنف قوی اور صنف نازک کے باہمی تعلقات درست رکھنے کے لئے
جو قانون لائے ہیں۔ وہ دماغ و فطرت دونوں کے عین مطابق ہے۔ خواہ اس قانون کو گرم ملکوں
میں استعمال کیا جائے یا سرد علاقوں میں وہ ہر جگہ اور ہر وقت دونوں صنفوں کے لئے یکساں مفید
ہے۔ زمانہ ہزاروں پلٹے کھائے لاکھوں اُلٹ پھیر بدلے مگر یہ قانون قدرت فطرت کے مطابق
مزاج کے موافق اور صنف انسانی کے مناسب ہی رہتا ہے۔ اس لئے کہ قانون اسلام اسی وقت
غیر مؤثر ہو سکتا ہے جس وقت فطرت کائنات بدل جائے۔ چونکہ فطرت بدلنے والی چیز نہیں اس
لئے قانون اسلام بھی نہیں بدل سکتا۔

یہاں پر بتانا یہ مقصود ہے۔ کہ اسلامی قانون میں ہر دو صنف کے حقوق کا لحاظ رکھا گیا ہے
مرد و عورت دونوں کو آزاد کیا گیا ہے۔ نہ مرد عورت کا غلام ہے نہ عورت مرد کی باندی ہے بلکہ بحیثیت
انسانیت دونوں برابر ہیں۔ ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت و برتری نہیں۔ لیکن خلقت جسمانی
او لوازم وجدانیات کے اعتبار سے دونوں کے فرائض جدا جدا ہیں۔ مرد کی بدنی ساخت۔ اعضاء
کے اُتار چڑھاؤ۔ قوت کا کمال۔ عقل کی روشنی۔ قویٰ کی بیداری۔ مردانہ رعب و داب اور جاہ و جلال
اس بات کا مقتضی ہے کہ بیرونی دُنیا میں میل جول اور تعلقات پیدا کر کے حوائج ضروریہ کے اہتمام
کے لئے روپیہ بہم پہنچائے۔ دُنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد کرے جن سے ترقی۔ رفعت اور عزت حاصل ہو۔
اہل و عیال۔ عزیز و اقربا۔ ہمسائیوں محلہ داروں۔ دوستوں شہر والوں اور ملک والوں کی بہبود و فلاح
کے اسباب پیدا کرے۔ تاکہ سارے ابنائے وطن اس سے کچھ نفع حاصل کر سکیں۔ مگر یہ کام اسی وقت ہو سکے گا
جب مرد کو اندرونی سکون اور خانگی اطمینان حاصل ہوگا۔ کیونکہ جب تک ضمیر کو آسائش اور قلب کو راحت
میسر نہ آئے اور دن بھر کی تھکی ہوئی روح اور کلفت یافتہ ماندہ حواس میں تازگی پیدا نہ ہو۔ اس وقت تک ان
اسباب کی فراہمی دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ عورت اور وہ عورت جو باعتبار خلقت کے نازک اندام۔
جادو چشم بصیرت نواز اور بصر افروز واقع ہوئی ہے جس کے ہر ہر چشمہ بدن انسانی دل کو اطمینان بخش اور مسرت
و سکون حاصل کرانے میں کوشاں رہتا ہے جس کے تبسم میں راحت جنبش میں شگفتگی۔ رفتار میں کشش اور گفتار میں
کشش ہوتی ہے۔ انسان کے ضمیر کو۔ روح کو حواس کو دل کو خانگی بکھیڑوں سے خلاصی اور ذہنی پریشانیوں
سے نجات دلاتی ہے۔ اس کی خلقت کمزور ہے۔ اعضاء نازک و ضعیف ہیں۔ بیرونی دنیا کی مشقتیں برداشت
کرنے کے قابل نہیں۔ لہٰذا وہ اپنی ساخت جسمانی اور فطری نزاکتوں کی وجہ سے اس بات کی مستحق ہے کہ وہ

ہمیشہ آرام و آسائش میں رہے چنانچہ انہی امور کے پیش نظر کتاب اللہ ہم کو حکم دیتی ہے کہ عاشروھن
بالمعروف یعنی عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ مصابیح میں ایک صحیح حدیث بروایت ابو ہریرہؓ
منقول ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو عورتوں سے بھلائی کرنے کے متعلق میری نصیحت
مانو۔ ایک دوسری حدیث حضرت جابرؓ سے منقول ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ عورتوں
کے حق میں خدا سے ڈرو۔ کیونکہ تم نے ان کو بعہد امانت لیا ہے اور باذن خدا ان کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ یعنے
عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ ان کو ناحق نہ ستاؤ۔ وہ تمہارے قبضے میں ہیں اور تم نے اللہ تعالےٰ
سے عہد کیا ہے۔ کہ ہم عورتوں کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی کا برتاؤ کریں گے۔ اب اگر نرمی اور شفقت نہ کرو گے
تو معاہدۂ خداوندی کو توڑو گے۔ نظام زندگی درہم برہم ہو جائیگا اور روح اجتماع تباہ ہو جائے گی۔

وہ کج فہم مرد جو عورت کو گھر کی مالکہ کی بجائے ایک ذلیل باندی اور ایک سکون قلب کے سامان کی بجائے
زر خرید لونڈی سمجھتے ہیں جن کو یہ پتہ نہیں کہ اس مسکین۔ ضعیف اور جاذبیت کی دیوی کی کیا قدر ہے۔ آئیں اور حضور
علیہ السلام کی مقدس زندگی سے یہ سبق سیکھیں۔ کیونکہ سرکار دو عالم کی حیات ازدواجی بھی اپنے اندر دو کشش
رکھتی ہے اور اس کا یہ پہلو بھی اتنا روشن ہے۔ کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا کسی کو تو ایک دو یا چار بیویوں کے
ساتھ معاملہ پڑا ہوگا لیکن آپ کے حرم سرا میں بیک وقت متعدد بیویاں تھیں اور بیویاں بھی وہ جن میں۔ عمر۔
حیثیت۔ علم اور مزاج کے گوناگوں فرق موجود تھے۔ اُن میں صاحب جمال بھی تھیں اور بڑی عمر کی بھی۔ امراء

کی جگر گوشہ بھی اور عام حیثیت کے افراد کی نور چشم بھی۔ مکہ مکرمہ کی رہنے والیاں بھی اور مدینہ منورہ کی
بھی۔ کنواری اور غیر کنواری بھی۔ ایسی بھی تھیں جو بڑھاپے کی عمر میں قدم رکھ چکی تھیں اور کم سن بھی
جو ابھی دائرہ صغر سنی سے باہر نہ نکلی تھیں۔ عربوں کی صاحبزادیاں بھی تھیں اور یہود کی رشتہ دار بھی۔
آرام پسند بھی جو راحت کی زندگی بسر کرنے کی دلدادہ تھیں اور وہ بھی جو سادگی چاہتی تھیں۔ وہ بھی جن
کی عادات میں حلیمی اور گفتار میں نرمی تھی اور وہ بھی جن کی طبیعتیں تیز اور تلخ تھیں۔ پھر اس کے باوجود کہ
یہ ملکوتی صفات کی حامل تھیں کبھی کبھی ان میں خانگی معاملات پر چپقلش بھی ہو جاتی تھی۔ رشک بھی پیدا
ہوتا تھا اور کبھی نوک جھونک تک بھی نوبت پہنچ جاتی تھی اور شکوے شکایتوں کے علاوہ سب سے زیادہ
نازک صورت یہ تھی کہ حضور علیہ السلام کے گھر میں زر و جواہر کے ڈھیر نہ تھے سیم و طلا کی تھیلیاں نہ تھیں
خوشحالی اور آسائش کی بجائے فقر و فاقہ میں بسر ہوتی تھی۔ پھر کیا یہ کمال نہیں کہ ان مختلف الخیال و
مختلف المزاج اور مختلف الطبائع بیویوں کے ساتھ وقت گزارنا اور ایسا کہ دُنیا بھر کے انسانوں کیلئے نمونہ ہو۔
پچیس برس کی عمر میں حضورؐ نے اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے شادی کی جو کہ عمر کے ایک

ممتاز متمول خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ اس سے پیشتر دو شوہروں کا انتقال ہو چکا تھا۔ اور اس شادی کے وقت عمر شریف چالیس برس کی تھی۔ بہت بڑی تاجرہ تھیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نیک مزاجی اور شرافت سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ شادی کا پیغام بھیج دیا۔ اور نکاح کر لیا۔ مکہ والوں میں سے کسی کو بھی یہ امید نہ تھی کہ یہ بے جوڑ شادی دونوں زندگیوں کے لئے یوں عنوان سعادت و مسرت ثابت ہوگی۔ شوہر غریب اور بیوی دولتمند۔ شوہر کی عمر پچیس سال اور بیوی کی چالیس سال۔ لیکن کیا کہنا ہے آپ تو آپ ہی تھے جن کی کسی بات میں مماثلت ممکن نہیں۔ مگر اس دولت مند اور شریف خاتون نے بھی وہ وفاداری دکھائی جس کی نظیر آج تک کسی وقت میں بھی نہیں مل سکتی۔ ان حالات میں کہ حضور علیہ السلام کی زندگی لاکھوں مصائب میں گھری ہوئی تھی۔ اور ملکی۔ ملی۔ قومی۔ تمدنی۔ معاشرتی اور دوسری ہزاروں ذمہ داریاں آپ کے دوش مبارک پر تھیں۔ اس خاتون نے وہ ساتھ دیا کہ زمانہ متحیر رہ گیا۔ وصال کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی یاد آجاتی تھیں تو آپ کی آنکھیں ڈبڈبا جایا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی زیادہ یاد فرماتے تو حضرت عائشہؓ چڑ جایا کرتیں کہ آپ کیوں ایک بڑھی عورت کو یاد کر کے پریشان ہوتے ہیں۔ جواب فرماتے۔ عائشہ تم نہیں جانتیں۔ خدیجہؓ نے اس وقت میرا ساتھ دیا جب کوئی دنیا میں میرا نہ تھا۔ اس نے اس وقت میرا ساتھ دیا جب کائنات ارضی کا ذرہ ذرہ برسر پرخاش تھا۔ اس سے ہر ذی فہم اندازہ کر سکتا ہے کہ حضورؐ کو اپنی بیویوں سے کس قدر

محبت اور پیار تھا۔ اور کیونکہ آپ ہر معاملہ میں تمام بیویوں سے یکساں سلوک فرماتے اور ہر ایک کی دلجوئی کا ایک سا خیال رکھتے۔ ہر ایک کے لئے لباس و طعام بھی برابر ہوتا اور آمد و رفت میں بھی کامل یکسانیت پائی جاتی۔

سرورِ عالمؐ باپ کی حیثیت میں

انسانی فطرت میں جہاں بہت سے جذبات قدرت کی طرف سے ودیعت کئے گئے ہیں اولاد کی محبت کا جذبہ بھی تقریباً تمام جذبات سے زیادہ نمایاں اور زیادہ شدت سے اس میں مرکوز کیا گیا ہے۔ انسان اپنے بچوں کی خاطر دن کی دھوپ۔ رات کی بے خوابی۔ جسم کی مشقت۔ روح کی تشویش سب کچھ برداشت کر سکتا ہے۔ مگر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اولاد پہ آنچ آئے۔ باپ کی شفقت اور ماں کی مامتا دنیا میں ضرب المثل ہیں۔ اگر یہ دو جذبے دونوں میں نہ پائے جائیں تو یہ معمورۂ کائنات ایک اُجڑی ہوئی بستی نظر آئے۔ اور باغِ عالم میں انسانی وجود کا پودا مفقود ہو۔ ساری کائنات کی اشیاء موجود

ہوں مگر ان کا استعمال کرنے والا کوئی نہ ہو۔ کیونکہ یہ سب کچھ اشرف المخلوقات کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر خود اشرف المخلوقات کی عنقا ہو تو اس سب کچھ کا منشا کیا رہ جائے۔ یعنی اسی جذبے سے ہر بچہ پرورش اور تربیت پاتا ہے۔ نہ مامتا ہو نہ ماں اس کا بوجھ اُٹھائے نہ پرورش کرے نہ باپ متوجہ ہو اور نہ یہ پروان چڑھے۔ ایک یہ جذبہ ہی تو ہے کہ نو مہینے کے حمل میں باوجود ہزاروں تکلیفوں کے ماں بچے کو اُٹھائے پھرتی ہے۔ نیند چھوٹ جاتی ہے۔ عادات بدل جاتی ہیں۔ چلنا پھرنا اُٹھنا بیٹھنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ دردِ زہ کی تکلیفوں سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر یہ بجائے حمل ضائع کرنے کے اس کو اُٹھائے پھرتی ہے۔ اس کی حفاظت کرتی ہے پھر جب وہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کو سینے سے چمٹاتی اور کندھے پہ لٹکائے پھرتی ہے۔ خود جاگتی ہے۔ اُسے سلاتی ہے۔ خود بھوکی رہتی ہے اُسے کھلاتی ہے۔ پھر ایک دن میں دو دن نہیں پورے دو دو برس اس کو اپنا خون پلا پلا کر پرورش کرتی ہے اور بچے کے جوان ہونے تک اس کی خدمت کے لئے کمربستہ رہتی ہے۔ اسی طرح باپ دیس بدیس پھرتا ہے اپنا خون پسینہ ایک کر دیتا ہے راتوں کو جاگتا ہے۔ نیند حرام کرتا ہے۔ اپنا آرام چھوڑتا ہے۔ سمندر چیرتا ہے۔ پہاڑ کاٹتا ہے۔ جُدائی سہتا ہے۔ دکھ درد میں رہتا ہے بلکہ ماں کی طرح بعض اوقات جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ بچوں کا پیٹ پلے۔ ان کی تعلیم مکمل ہو۔ ان کی شادیاں باقاعدہ ہوں اور یہ مجھ سے زیادہ آرام کی زندگیاں گذاریں۔ میں تکلیف اُٹھاؤں۔ مگر اپنے بچوں کے لئے وہ صورت چاہوں کہ میرے بعد اور میری موجودگی میں تکلیف نہ اُٹھائیں۔ اور یہ سب کچھ کسی بدلے کسی منفعت یا کسی حرص کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ فطرتاً جذبہ سے مجبور ہو کر کرتا ہے۔ پس دنیا چلانے کے لئے دنیا میں ایک مکلف و مختار اور ذی عقل مخلوق کی ضرورت تھی اور وہ انسان تھا۔ پھر انسانی تربیت کے لئے نہایت ضروری تھا کہ ماں باپ کے دل میں بچوں کی محبت کا وہ جذبہ پیدا ہو جو سب جذبوں سے ایک امتیازی حیثیت رکھے۔ اسی جذبے کے ماتحت خود حضور علیہ السلام نے بچوں کی تربیت کے لئے امت کو جو تعلیم دی ہے۔ وہ ایسی ہے کہ بچے کے پیدا ہونے سے قبل ہی اس کے لئے اس جذبہ کا یوں اظہار فرماتے ہیں۔ کہ جب بیوی کے پاس جایا جائے تو بارگاہ ایزدی میں عرض کیا جائے۔ الٰہی اگر اس فعل مباشرت سے تیرے علم میں ہمیں کوئی بچہ عطا ہونے والا ہے۔ تو ہمیں اس وقت گندے جذبات سے بچا اور تمام گندے خیالات سے ہمارے دل اور دماغ کو محفوظ فرما تاکہ ہمارے اس وقت کے گندے خیالات کا اثر ہونے والے بچے کے دل و دماغ پر نہ پڑے۔ بچے کی محبت میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد کس خوبی کا حامل ہے۔ کہ بچہ ابھی باپ کی صلب سے ماں کے رحم میں بھی نہیں پہنچا اور حضورؐ اس کی پاکیزگی کی تمنا فرما رہے ہیں کیونکہ ماں باپ کے جذبات و خیالات کا اثر بچے پر ماں کے پیٹ میں ہی پڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جب بچہ پیدا ہو جائے تو ارشاد ہوتا ہے کہ بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان

میں تکبیر کہو۔ اور یہ محض ایک رسم نہیں۔ بلکہ باوجود اس وقت اذان اور تکبیر کے الفاظ نہ سمجھنے کے بچہ ان
کلمات طیبات کی پاکیزگی سے متاثر ہوتا ہے اور اس کے دماغ پر ان کلمات کے پاکیزہ مفہوم کا اثر ساری
عمر باقی رہتا ہے۔ پھر حضور گھٹی دیتے وقت دعا بھی فرمانے کا عمل فرماتے ہیں کیونکہ رب العزت کی
مدد کے بغیر ہماری اصلاح کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ پھر ساتویں دن عقیقہ اور حجامت
اور اس کے سر کے بالوں کے برابر چاندی تول کر خیرات کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی حفاظت ہو اور
یہ ثابت کر دیا جائے کہ اس کو اللہ کا بندہ بنانا مطلوب ہے جیسا کہ بیت اور سونا چاندی ایسی چیزیں نہیں جو
بچے سے عزیز رکھی جائیں۔ بلکہ بچے کے مقابلے میں یہ اس کے بالوں کی بھی حیثیت نہیں رکھتیں اور بچے کو
انسانیت سکھانے کے لئے یہ سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے اور ختنہ بھی اسی نوعیت کی چیز ہے جس سے
یہ پتہ چلتا ہے کہ جیسے بچے کی باطنی پاکیزگی اور طہارت کا خیال رکھا جاتا ہے اسی طرح اس کے جسم کی درستی اور
صحت کا خیال بھی کرنا ماں باپ کا فرض ہے۔ پھر ایام رضاعت میں لوگ بچوں کی صفائی کا خیال نہیں رکھتے
حالانکہ ظاہر کا اثر باطن پر اور جسم کا اثر روح پر لازماً پڑتا ہے خود سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم ایام رضاعت
میں بچوں کی صفائی کا نہایت اہتمام سے خیال فرماتے۔ بخاری شریف میں ہے۔ کہ آپ اپنے صاحبزادے
ابراہیم کو دیکھنے کے لئے اس کی دایہ کے گھر تشریف لے جاتے اور بچہ کو منگوا کر اسے پیار فرماتے اور اس کے لباس اور
جسم کو سونگھتے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بچے کو وقتی طور پر ستھرا لباس پہنا دیا جائے مگر جسم صاف نہ ہو حضور
علیہ السلام کے بچے کو سونگھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ سونگھنے سے کیا مطلب تھا یہی کہ پتہ چل جائے کہ
لباس کے ساتھ بچے کا جسم بھی صاف ستھرا ہے یا نہیں۔ الغرض یہ سب کچھ اسی ایک فطری جذبہ کی برکات
ہیں جو قدرت نے والدین میں ودیعت فرما رکھا ہے۔ اور باپ کی حیثیت سے حضور علیہ السلام کی زندگی نہایت
شاندار حیثیت رکھتی ہے۔

حضور علیہ السلام کے آٹھ بچے ہوئے۔ قاسم۔ ابراہیم۔ طیب اور طاہر چار صاحبزادے اور فاطمہ۔
زینب۔ ام کلثوم اور رقیہ چار صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادے تو شیر خواری ہی کے عالم میں داغ مفارقت
دے گئے۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام کے بعد نبوت ختم تھی اگر مرد کی حیثیت میں ہو کر زندہ رہتے اور نبی نہ ہوتے
تو پہلے انبیاء علیہم السلام کی ان اولادوں کے مقابلہ میں جنہوں نے منصب نبوت پایا۔ ان کی توہین تھی۔ اور
اگر زندہ رہ کر نبی ہوتے تو ختم نبوت کا مسئلہ قائم نہ رہتا۔ اس لئے رب العزت جل وعلاشانہ نے فرمایا کہ
محمد صلے اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ البتہ صاحبزادیاں پلیں۔ بڑھیں۔ جوان ہوئیں اور
بیاہی گئیں۔ صاحبزادے حضرت ابراہیم کے سوا جو حضرت ماریہؓ قبطیہ کے بطن سے تھے باقی تمام بچے حضرت

ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ پہلے شادی کے بعد پانچ سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی
اتنے عرصہ کے بعد صاحبزادی زینب پیدا ہوئیں جن کی شادی حضرت ابو العاص سے ہوئی۔ اور حضرت
رقیہ کی شادی عتبہ بن ابو جہل سے اور حضرت ام کلثوم کی شادی عتیبہ بن ابو لہب سے اور حضرت فاطمہ
کا عقد حضرت علی ابن ابیطالب سے ہوا۔ گویا چاروں صاحبزادیاں اپنے کنبہ ہی میں بیاہی گئیں کیونکہ حضرت
ابو العاص بھی حضرت زینب کے خالہ زاد عزیز ہی تھے۔

بعثت نبوی کے بعد حضرت ام کلثوم اور حضرت رقیہ کو طلاق ہو گئی جو کچھ وقفہ کے بعد یکے بعد دیگرے
حضرت عثمان غنی کے نکاح میں آئیں۔ حضرت زینب کو بھی پہلے تفریق ہو گئی تھی۔ مگر حضرت ابو العاص کے ایمان
لانے کے بعد پھر تجدید نکاح ہو گئی۔ اس لئے کہ دونوں میں بہت محبت تھی اور شوہر کا سلوک شریفانہ رہا تھا۔

الغرض سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام اولاد سے بیحد محبت تھی اور اس میں صغیر و کبیر کی
کوئی تمیز نہ تھی۔ حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو بہت خوشی ہوئی اور خوشخبری سنانے والے ابو رافع کو ایک
غلام عطا فرمایا۔ جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا ہے حضورؐ صاحبزادے ابراہیم کی دایہ کے ہاں صاحبزادے کو دیکھنے جاتے
اور پیار فرماتے تھے۔ ایک دن اچانک صاحبزادے کی بیماری کی خبر ملی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو ساتھ لیا
اور وہاں تشریف لے گئے۔ صاحبزادے کی حالت خراب دیکھ کر تشویش ہوئی۔ عالم نزع تھا۔ آنکھوں میں آنسو
آ گئے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے استفسار پر فرمایا۔ عبد الرحمٰن یہ محبت کے آنسو ہیں دل پر کس کو قابو ہوتا
ہے۔ مدینے چلے آنے پر صاحبزادی زینب کی طرف سے بڑی تشویش رہی کیونکہ ان کے خاوند غیر مسلم تھے۔
جب وہ جنگ بدر میں مقابلہ پر آئے تو پکڑے گئے اور اس شرط پر رہا کر دیئے کہ وہ جاتے ہی زینب کو مدینہ
بھیج دیں گے۔ اور اس نے بھیج بھی دیا۔ پھر بعد کو ایمان لے آئے۔ حضرت زینب کی طرح حضرت فاطمہ سے
بھی آپ کو بے حد محبت تھی۔ ان کی ذرا سی تکلیف بھی سنتے تو بیتاب ہو جاتے تھے۔ ہمیشہ اس کوشش
میں رہتے۔ کہ بیٹی آرام میں رہے۔ اور زوجین کے تعلقات میں کوئی ناخوشگواری پیدا نہ ہو۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے اقارب
سے محبت کرنے والا نہیں پایا۔ حضرت فاطمہ حاضر ہوتیں تو آپ محبت سے کھڑے ہو جاتے۔ پیشانی پر بوسہ
دیتے۔ اور اپنی جگہ بٹھا لیتے۔ حضرت حسن حسین اور امامہ سے بھی بہت پیار فرماتے اور دوش مبارک پر
سوار فرمایا کرتے۔ حضورؐ کی مقدس زندگی پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ ایک وہ مکمل اور اکمل نمونہ
تھے جن کی مثال دنیا آج تک نہ پیش کر سکی ہے اور نہ کر سکے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی مشاغل

کسب معیشت اور حصول معاش کا سب سے زیادہ ہوشمندانہ اور نفع بخش ذریعہ تجارت اور صرف تجارت ہے۔ اس لئے رب العزت جل وعلا شانہ نے اسی پیشہ کو آپ کے لئے منتخب فرمایا۔ اور اس طرح مسلمانوں کے لئے "تجارت کو سنت قرار دے دیا۔" تاکہ فرزندانِ اسلام دنیا میں عزت و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ حضورؐ کے خاندان میں ایک عرصہ سے تجارت ہوتی چلی آ رہی تھی۔ اور آپ کے تمام پہلے بزرگوں کا یہی ذریعہ معاش تھا۔ باپ۔ چچا۔ دادا۔ پردادا سب تاجر تھے۔ اور آپ کے پردادا ہاشمؓ تو اتنے اولوالعزم تاجر ہوئے ہیں کہ ملک عرب اور ہمسایہ ممالک میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ ان کی تجارت کی وسعت سے صرف ان کو ہی نفع نہیں پہنچا بلکہ تمام قریش کی تجارت چمک گئی۔ گو عربوں میں پہلے بھی تجارت ہوتی تھی۔ مگر وہ نرود شکوہ سے کی جاتی تھی۔ ہاشمؓ نے میدانِ تجارت میں قدم رکھتے ہی تجارت کا نقشہ بدل دیا۔ پہلے تو انہوں نے قیصر روم، شاہ حبش اور فرمانروانِ یمن سے خط و کتابت کی۔ اور اس رنگ میں کی۔ کہ ان سے عربوں کے مال تجارت پر محصول وغیرہ نہ لگنے کے فرمان حاصل کر لئے۔ پھر کیا تھا۔ کھلے بندوں تجارت ہونے لگی۔ اور محصول کی عدم ادائیگی سے کاروبار کو زیادہ ترقی ہو گئی۔

حضورؐ نے بھی جوان ہو کر اسی معزز پیشہ کو اختیار فرمایا۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ بچپن ہی میں آپ نے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ کئی تجارتی سفر کئے۔ اور ان کی مرضی بھی یہی تھی۔ کہ آپ کاروبار سیکھ لیں۔ اور آپ کو بھی اس پیشہ کی سود مندیوں کا احساس ہو چکا تھا۔ اس لئے آپ نے ہوش سنبھالتے ہی تجارت شروع کر دی۔ آپ کے دو چچا حضرت عباسؓ اور ابوطالب بڑے تاجر تھے۔ لیکن ابوطالب کا کاروبار کوئی بہت بڑا نہ تھا۔ آپ کے والدؐ صاحب نے بھی کوئی اثاثہ نہ چھوڑا تھا۔ اور نہ ہی کام میں لگانے کو کچھ سرمایہ پاس تھا۔ اور اختیار بھی تجارت ہی کرنا چاہتے تھے۔ بس آپ نے اس کا بہتر ذریعہ یہ سوچا۔ کہ نصف منافع کی شرط پر دوسرے لوگوں سے مل کر تجارت شروع کر دی۔ کیونکہ مکہ کے تاجروں میں یہ دستور تھا۔ کہ معین منافع کی شرط پر دوسرے کام کرنے والوں کو اپنا مال فروخت کے لئے دیا کرتے تھے۔

آپ کے پاس گو سرمایہ نہ تھا۔ مگر آپ کے صدق و دیانت کی اتنی شہرت تھی۔ کہ [illegible] لوگ آپ کو تجارت کے لئے اپنا مال بخوشی دینے پر رضامند ہو جاتے تھے۔ اور وہ جانتے تھے۔ کہ تجارتی کامیابی کے لئے جتنے اوصاف ایک کام کرنے والے کے لئے ضروری ہیں وہ سب آپ میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ آپ کی مستعدی۔ دیانتداری، ہوشمندی، با اعتباری اور خوش خلق سب پر اظہر من الشمس تھی۔ اور اسی کا نتیجہ تھا۔ کہ آپ کے ارادہ کی فرماتے ہی تجارت لے آپ کو منتخب کر لیا اور اپنی توجہ آپ کی جانب مبذول کر لی۔ اور آپ نصف منافعہ کی شرط پر لوگوں کا مال لے کر خرید و فروخت کے لئے دور دور کے سفر اختیار فرمانے لگے۔ آپ کی قابلیت و دانائی سے جوں جوں کامیابی ہوتی گئی۔ لوگوں نے آپ کو اپنے مالوں کے ذخیرے سپرد کرنے شروع کر دئے۔ آپ کا دورۂ تجارت شام، بصرہ، بحرین اور یمن تک ہوتا تھا۔ آپ کی ایفاء عہد اور پاکیزگی اخلاق سے تاجر اس قدر متاثر ہوئے۔ کہ ہر لحظہ مال دینے میں آپ کے منتظر رہتے تھے۔ جس سے ایک دفعہ سابقہ پڑا۔ وہ ہمیشہ کے لئے آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی فرماتے ہیں۔ کہ زمانہ ماقبل نبوت میں میں نے حضور علیہ السلام سے خرید و فروخت کے متعلق ایک معاملہ کیا تھا۔ تمام ضروری مسائل و مراحل طے ہو گئے۔ صرف دو چار باتیں باقی تصفیہ طلب رہ گئی تھیں۔ تو میں یہ کہہ کر چلا گیا۔ کہ آپ انتظار فرمائیں میں آتا ہوں۔ اتفاق سے مجھے ایک ضروری کام پڑ گیا۔ اور میں اس میں مشغول ہو کر آپ سے کیا ہوا وعدہ بالکل بھول گیا۔ تین روز کے بعد تکمیل معاملہ کے لئے گیا۔ تو آپ کو جہاں چھوڑ گیا تھا وہیں پایا۔ آپ کی پیشانی پر بل تک نہ دیکھا۔ اور آپ صرف اتنا فرما کر مجھ سے مخاطب ہوئے۔ کہ آپ نے مجھے بڑی زحمت دی۔ میں تین روز سے آپ کے انتظار میں یہیں کھڑا ہوں۔ عبداللہ کہتے ہیں۔ کہ میں آپ کی اس پابندی وعدہ اور طرز عمل سے بہت متاثر ہوا۔

ایک صاحب سائب نامی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف اسلام ہوئے۔ لوگوں نے ان کی بہت تعریف کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں ان سے ناواقف نہیں ہوں۔ اور ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ اس کے جواب میں سائب بولے۔ کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ تو میرے شریک تجارت رہ چکے ہیں۔ اور آپ کا معاملہ ہمیشہ نہایت صاف اور پاکیزہ رہا ہے۔

حضرت قیس بن سائب کا بیان ہے۔ کہ شریک کار تاجروں کے ساتھ ہمیشہ آپ کا معاملہ صاف رہا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ کسی سے کوئی جھگڑا یا منافقت پیدا ہوئی ہو۔ ظاہر ہے کہ معاملہ کی صفائی عہد کی پابندی۔ سچائی اور راستبازی کاروبار تجارت کے لئے کتنی اہم اور بنیادی چیزیں ہیں۔ انہی سے ساکھ قائم ہوتی ہے اور ساکھ ہی سے تجارت میں ہوا بندھتی ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ بیرون مکہ کے تاجر بھی آپ سے معاملہ کرنا اور لین دین موجب منافعت سمجھتے اور آپ سے شرکت کرنے کے متمنی رہتے۔

کتب سیر میں ہمیں حضرت عبداللہ بن ابی۔ قیسؓ بن سائب مخزومی اور بی بی خدیجہؓ ہی کے اسمائے
گرامی ملتے ہیں۔ جن سے حضور علیہ السلام نے تجارت میں شرکت کی۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے
ان کے علاوہ بھی اور لوگوں سے شرکت کی ہے۔ بقولِ قیسؓ کہ آپ مدت تک میرے ساتھ کام کرتے
رہے۔ اور آپ کا لین دین نہایت دیانتدارانہ رہا۔ جس جس نے آپ سے مشارکت کی۔ وہی آپ کی
دیانت کا معترف تھا۔ چنانچہ آپ کی دیانت اور کاروباری لیاقت ہی کا یہ کرشمہ تھا۔ کہ حضرت بی بی
خدیجہؓ نے آپ کو از خود پیغام بھیجا۔ کہ اگر آپ اوروں کا کام چھوڑ کر صرف میرا ہی کام کرنے پر
رضامند ہوں۔ تو میں جو کچھ اوروں کو دیتی ہوں۔ آپ کو اس سے دُگنا دوں گی۔ یہ یاد رہے کہ اُس
وقت حضرت خدیجہؓ نہ صرف مکہ بلکہ تمام عرب میں ایک مشہور تاجرہ تھیں۔ لاکھوں روپے کا کاروبار
تھا۔ مکہ سے جب قافلہ تجارت کا روانہ ہوتا۔ تو ایک تنہا اُن کا مالِ تجارت تمام فریقوں کے مال تجارت
کے برابر ہوتا تھا۔ بی بی خدیجہؓ کی تجارتی قابلیت اور تاجرانہ بصیرت کا اعتراف تمام تاجروں کو تھا اور
وہ ذاتی حیثیت سے بھی نہایت معاملہ فہم۔ نیک نفس۔ ستودہ صفات اور پاک طینت بی بی تھیں۔

اس وقت بی بی خدیجہؓ کا کام کرنا اور تجارتی مشارکت بڑی عزت و شان کا کام تھا۔ عم کریم
نے اس پیغام خدیجہ کو سُن کر زور دیا۔ کہ آپ خدیجہؓ سے معاہدہ کر کے کام شروع کر دیں۔ جس پر
آپ بھی رضامند ہو گئے۔ کیونکہ ظاہری حیثیت میں خدیجہؓ کے کام کو سنبھالنا ایک امتیازی شان
کا موجب تھا۔ اور نفع کی بھی پوری توقع تھی۔ چنانچہ معاہدہ ہو گیا۔ اور آپ مال لیکر بصرہ کو روانہ ہو
گئے۔ پہلے ہی سفر میں آپ کو اتنا منافع ہوا۔ کہ بی بی خدیجہؓ خوش ہو گئیں۔ تین ماہ تک آپ نے نہایت
محنت اور عرق ریزی سے کام کیا۔ اب بی بی خدیجہؓ کے سامنے دو امور تھے ایک کاروباری منافع اور
وسعت۔ دوسرے اتنے صفات و محاسن اور سفر کے بابرکت و تعجب انگیز حالات کا خوش گوار ہونا۔ جو
آپ کی جانب بی بی خدیجہؓ کو پوری طرح متوجہ کر گئے۔ اور بی بی صاحبہؓ نے خود درخواست عقد
کر کے حضورؐ سے نکاح کر لیا۔ پھر کیا تھا۔ پہلے بطور ایجنسی کے کام ہو رہا تھا۔ اب بفضل خدا مالکانہ
حیثیت حاصل ہو گئی۔ کام اپنا ہو گیا۔ تجارت اپنی ہو گئی۔ اور سارا معاملہ ہی اپنا ہو گیا۔ اب آپ نے
اپنی تمام تر توجہ کاروبار کی طرف مبذول فرما دی۔ ایک موسم میں شام۔ بصرہ اور ایشیائے کوچک تک اور
دوسرے موسم میں کویت۔ یمن۔ بحرین کی جانب مال تجارت لے جاتے اور خرید و فروخت فرماتے۔ اس
دور میں جب کہ وسائل نقل و حمل اور ذرائع آمد و رفت کی سہولتیں مفقود تھیں۔ اور دور دراز ملکوں اور
علاقوں میں مال تجارت لے کر جاتے اور مشہور منڈیوں۔ تجارتی مرکزوں۔ بڑے بڑے شہروں اور قریبی
سواحلوں پر اپنا مال لگاتے۔ اس سے آپ کی مستعدی اور اولوالعزمی پر کتنی تیز روشنی پڑتی ہے اور کس قدر
ان تھک کوششوں کا پتہ چلتا ہے۔

ممکن تھا کہ یہ کوششیں آپ کو ملک التجار سے کچھ اوپر کے درجہ میں بھی لے جائیں۔ مگر ایسا نہ ہوا
کیونکہ قدرت کو آپ سے دوسرا کام لینا مقصود تھا۔ اور یہ تمام تجارتی حوصلہ مندیاں یہیں ختم ہو کر رہ گئیں
اور اب آپ پر دوسری حالت طاری رہنے لگی۔ یعنی اعلان ہونے کے بعد آپ کی اس ساری جد و جہد کا
زوال شروع ہو گیا۔ اور آہستہ آہستہ یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ لیکن منصب نبوت پر بھی حضورؐ نے معاش
اور محنت۔ تجارت و کاروبار کو فراموش نہیں فرمایا۔ اور اپنے غلاموں کو ہدایت فرماتے رہے کہ :
اَلْعِبَادَةُ سَبْعُوْنَ جُزْءًا وَاَفْضَلُهَا طَلَبُ الْحَلَالِ۔ یعنی عبادت کے ستر جز ہیں۔
جن میں افضل ترین جز کسب حلال ہے۔

حضور علیہ السلام سے پہلے جتنے راہنما دنیا میں تشریف لائے۔ کسی نے بھی معاش کو اتنی اہمیت
نہیں دی۔ جتنی آپ نے اس پر توجہ فرمائی ہے۔ گویا طلب حلال کو اس قدر موکد فرمایا کہ عبادت کا درجہ
دے دیا۔ اور فریضہ الٰہی کے بعد حلال روزی کا طلب کرنا سب سے اہم فریضہ ذکر کیا۔ چونکہ معاش و
معیشت میں سب سے اہم چیز تجارت ہے۔ اس کے متعلق ارشاد فرمایا۔ کہ دیانتدار تاجر قیامت کے
دن شہداء۔ صدیقین اور انبیاء کے ساتھ اٹھیگا۔ تجارت ضرور کرو۔ کہ رزق کے دس حصوں میں سے
نو حصے رزق اسی میں ہے۔ آہ مسلمانوں کے لئے کس قدر شاندار تعلیم ہے۔ اگر سمجھیں۔ وباللہ التوفیق

آپ کا منصب رسالت

اللہ تعالےٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا فرمایا ہے۔ چونکہ اس سے اس کارخانہ عالم
میں بیشمار کام لینے مقصود تھے۔ اس لئے اسے عام جانوروں کی طرح فطری ضروریات کا مناسب
کا مناسب و محدود علم ہی نہیں دیا۔ بلکہ اس کے لئے علم کے سمندر پھیلا دیئے۔ کیونکہ تمام مخلوقات
کے سرور کے لئے تمام مخلوقات کے متعلق علم رکھنا اعلیٰ مرتبہ بڑا ضروری تھا۔ اور اس کی جبلت
میں پیدا فرمائی۔ کہ از راہِ بندہ نوازی انہی میں سے اپنے ایک برگزیدہ و اشرف ترین بندہ کو فرائض
رسالت کی انجام دہی کے لئے منتخب فرمایا۔ تاکہ وہ تمام مخلوقات تک اس کی مرضی و منشا کا علم
پہنچا دے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ بندے کی بجائے کسی اور طریق پر یا کسی اور مخلوق کے ذریعے
بھی یہ کام کر سکتا تھا۔ فرشتوں کے سپرد یہ خدمت کی جا سکتی تھی۔ یا براہ راست یا بلا توسط تورات و
زبور و انجیل و قرآن نازل کئے جا سکتے تھے ؟ ہاں اس میں یہ قدرت ضرور ہے۔ مگر وہ ناقابل فہم
عسیر العمل اور غیر مفید طریقے اختیار نہیں فرماتا۔ اور اس کا ہر کام بطریق احسن ہوتا ہے۔ کتابیں آج

بھی موجود ہیں۔ مگر بغیر معلم واستاد کے کسی کو علم آتا ہے۔ ہر علم کے ساتھ معلم کی ضرورت ہوتی ہے
اگر وہ معلم استاد کی بجائے فرشتہ ہوتا تو تعلیم تو ضرور سامنے آجاتی۔ مگر تعلیم کا عملی نمونہ سامنے نہ
آتا۔ فرشتہ فرشتہ ہی ہوتا۔ اور کفر و عدوان کی خوگر طبائع بہ آسانی یہ کہہ کر جدا ہو جاتیں۔ کہ یہ راہنما
تو فرشتہ ہے۔ کھانے پینے۔ سونے جاگنے۔ بیوی بچوں اور تمام لوازمات بشری سے پاک ہے اس کی تعلیم
کی پابندیاں انسانوں سے کیونکر انجام دی جا سکتی ہیں۔

چونکہ مولا کریم کو بندوں کی خو۔ بو اور خصائل اور افتاد طبائع سے پوری واقفیت تھی۔
اس لئے اس نے عذرات و تسویف کے سارے دروازے بند کرنے کے لئے ایک انسان ہی کو
اپنے بندوں کی اصلاح و تعلیم کے واسطے اس منصب جلیل پر فائز فرمایا۔ جو محاسن انسانی کا پیکر
اور فطری امین تھا۔ ساغر و مینا کے دور چل رہے ہیں۔ حلال و حرام کا سوال ہی نہیں۔ اعیان
واشراف کی زندگیاں مجسم میکدے بنی ہوئی ہیں۔ مگر وہ قریب سے بھی نہیں گذرتا۔ عربی مستورات
حسن و جمال کی مستیوں سے چور ہو کر چھیڑ خانی کی دعوتوں میں مصروف ہیں۔ مگر وہ پاکباز ان صحبتوں
سے بالکل الگ تھلگ رہتا ہے۔ اور ہر ایک جانتا ہے۔ کہ اس کو بھلائی سے محبت اور ہر برائی سے
نفرت ہے۔ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی برائیوں اور چھپے ہوئے قبائح کی جانب قدم نہیں
اٹھایا، تاکہ جو تعلیم اس پر نازل ہونے والی ہے۔ وہ خدا کی مخلوق کو اس کی طرف خود اس کا نمونہ
بن کر دعوت دے سکے۔ اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ جتنا آدمی تعلیم کے نمونہ سے متاثر ہوتا
ہے۔ اتنا محض تعلیم سے متاثر نہیں ہوتا۔ بندوں ہی میں کا ایک بندہ انہی کی طرح کھاتا پیتا۔ رہتا
سہتا۔ چلتا پھرتا اور تعلیم الٰہی کا نمونہ بن کر دکھاتا ہے۔ پھر جب وہ تعلیم پیش کرتا ہے۔ تو
دوسرے لوگ اس تعلیم سے رو گردانی کے لئے کوئی معقول عذر نہ لا سکتے تھے۔ اور نہ ہی غیر ممکن
کا نام نبوت ہے اور اس علم کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔ امام صاحب بھی یہی فرماتے ہیں۔ کہ
عقل فطری کا کم و بیش ہونے کا انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ عقول میں اگر اختلاف مراتب ہوتا۔ تو
تمام لوگ علوم کے سمجھنے میں یکساں ہوتے۔ اور یہ حالت کہ انسانوں میں کوئی اس قدر غبی ہے کہ سمجھانے
پر بھی بڑی مشکل سے سمجھتا ہے۔ اور کوئی اس قدر ذہین ہے کہ ذرا سے اشارے میں سمجھ
جاتا ہے۔ کوئی اس قدر کامل کہ بغیر سکھلائے تمام باتیں اس کی طبیعت سے پیدا ہوتی ہیں اور
اور انبیاء علیہم السلام کی یہی مثال ہے۔ کیونکہ ان پر ایک سے ایک باتیں خود بخود کھل جاتی
ہیں۔ بغیر اس کے کہ کسی سے سنیں یا سیکھیں۔ حکماء کا قول ہے کہ نبی میں تین خواص پائے جاتے
ہیں۔ (۱) اپنے جوہر نفسی کی صفائی اور شدت اتصال بالمبادی العالیہ اور بغیر کسی بیرونی علم اور سابقہ
تعلم کے غیب کی خبروں سے اطلاع دے (۲) اس کے ہیولے عنصری میں حقائق اشیاء

کے ادراک اور صور الٰہیہ کے انکشاف کی قابلیت اور صلاحیت ہو (۳) ملائکہ کی صور متخیلہ کو مشاہدہ
کرے اور بذریعہ وحی کے کلام الٰہی سنے۔

سرکار دو عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں بھی جب ان کو الست کا ظہور ہوا
تو رفتہ رفتہ آپ پر بیخودی طاری ہونے لگی۔ محویت اور استغراق دن بدن زیادہ ہوتا گیا۔ آخر کار
دل کی اداسی نے یہاں تک پہنچا دیا۔ کہ آپ کسی گوشہ تنہائی کی تلاش فرمانے لگے۔ کبھی کبھار گھر
میں ہی مراقبانہ صورت بنا کر آنکھیں بند کرکے کونے میں بیٹھ جاتے۔ اور کبھی جب گھر میں بھی سکون
نہ ملتا تو جنگل میں تشریف لے جاتے۔ آخر ایک دن جنگل کی خاموشی میں بھی جب قلب اطہر کو سکون
حاصل نہ ہوا۔ تو پہاڑ پر چڑھ گئے۔ جہاں ایک غار نظر آیا۔ جس کو اپنی صفائی کے لئے موزوں سمجھ
کر اندر تشریف لے گئے۔ دیکھا تو صاف ستھرا ہے۔ مدھم سی روشنی بھی پڑ رہی ہے۔ آپ خوش
ہو گئے۔ اور واپسی پر گھر تشریف لا کر اپنی رفیقہ حیات سے فرمایا۔ کہ یہاں تین میل کے فاصلہ پر پہاڑ
کی چوٹی پر ایک غار ہے۔ دل چاہتا ہے۔ کہ وہاں بیٹھ کر کچھ دن مجاہدہ و عبادت کروں۔ رفیقہ
حیات بھی آخر اسی پاکیزگی کی حامل تھیں۔ کہ خدا کے محبوب و رسول کا ساتھ دے سکیں۔ کیا عذر
کرتیں۔ آپ کے ارشاد کے ساتھ ہاں ملائی۔ اور حضور وہاں تشریف لے گئے۔ کبھی کھانے پینے
کی اشیاء گھر سے پہنچ جاتیں۔ اور کبھی حضور خود تیسرے چوتھے روز گھر میں تشریف لاتے اور لے جاتے
غار کی دل پسند خاموشی اور گوشہ عزلت میں آپ غور و فکر اور مراقبے فرمانے لگے۔ دیکھا تھا لیکن آپ
کے سامنے کسی مذہب کی تعلیم نہ تھی۔ اور نہ ہی کسی استاد کی ہدایت، نہ وہاں پر کوئی شیخ تھا نہ نمونہ

اعمال بتا سکتے تھے۔ کیونکہ جب انہی میں کا ایک ایسا وجود جو خود کو بھی بندہ قرار دے رہا ہے۔ خود
[illegible] پر عمل کر رہا ہے۔ اور ان کی آنکھوں کے سامنے کر رہا ہے۔ تو پھر ان کے انکار کی کیا
گنجائش ہو سکتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر رسالت ہی نہیں ہے۔ کہ جو پیغام ملا وہ پہنچا دیا۔ بلکہ وہ معلم بھی
ہے جو تعلیم دے۔ اور وہ نمونہ بھی ہے جو اس پر عمل کرکے دکھا دے۔ کہ حکم کی تعمیل یوں ہوتی
ہے۔ اور اس طرح اس کے نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایک انسان خود خائن اور دروغ گو
ہو اور دوسروں کو خیانت اور دروغ بافی کے خلاف وعظ کرے۔ تو عوام الناس کے پاس اس کے
جواب میں ایک دلدوز قہقہہ اور طعن آمیز خندیدگی کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ برخلاف اس کے کہ
جس انسان کی اپنی زندگی وفائے عہد کا مرقع ہو۔ وہ جس بات کی تلقین کرے گا۔ اس کا ضرور اثر
ہو گا۔ یہی وہ حکمت تھی جس کی بنا پر ایک بندے ہی کو منصب رسالت تفویض کیا گیا۔

نبوت و رسالت خدا کا عطا کردہ ایک منصب ہے۔ مولا کریم جسے چاہتا ہے۔ عطا فرماتا ہے۔
یہ کسبی چیز نہیں۔ اور اس کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کو فکر و

وشبہات سے نکالنے۔ ایک نئی یا مخفی بات بتانے۔ اپنی مرضی پر مطلع کرنے۔ کسی خوف سے مامون فرما۔ کسی امید پر اطمینان بخشنے؛ اور کسی خوشخبری کے پہنچانے کے لئے اپنے بندوں میں سے جس کو پسند فرماتا ہے۔ اس منصب کے لئے منتخب فرما لیتا ہے۔ نبوت کے متعلق امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس قدر ہر شخص تسلیم کرتا ہے۔ کہ صفات انسانی تمام آدمیوں میں یکساں پیدا نہیں کی گئیں۔ ذہن ذکاوت، فہم و فراست اور عقل و ذہانت مختلف افراد انسانی میں کسی قدر مختلف المراتب ہی ہوتے ہیں ایک شخص ذہین ہے دوسرا اس سے زیادہ ذہین اور تیسرا اس سے زیادہ ذہین ہے۔ غرضیکہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچتی ہے۔ کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں۔ جو بظاہر قدرتِ انسانی کی حد سے باہر نظر آتے ہیں۔ جو لوگ شاعری میں، قوت تقریر میں، صناعی میں اور ایجاد میں تمام زمانے سے ممتاز گزرے ہیں۔ وہ اسی درجہ کی مثالیں ہیں۔ اور یہ درجہ فطری ہوتا ہے۔ پڑھنے سیکھنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگوں میں وہ قوت مرکوز ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ دوسرے لوگ کتنی ہی محنت اور کوشش کریں۔ ان کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ ان ہی قوتوں میں حقائق اشیاء کے ادراک کی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی میں کم کسی میں زیادہ اور کسی میں زیادہ تر ہوتی ہے۔ اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانوں میں اس حد تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ کسب و تعلیم کے بغیر ان کو حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے۔ ان کو کسی قسم کا بیرونی علم نہیں ہوتا۔ اسی قوت

صرف ایک قلبی جوش روح کی بیقراری اور غیبی رہبری تھی۔ جو کسی محبوب کی جستجو کے روحانی مجاہدوں اور عرفانی مشاہدوں کی بسم اللہ کرا رہی تھی۔ آپ نے سب سے پہلے غار میں تزکیۂ باطن کیا اور اسی میں آپ پر انوار الٰہیہ کا نزول شروع ہو گیا۔ آپ کو آنے والی منازل کا خوگر بنانے کے لئے اچھی اچھی خوابیں اور بیداری میں تجلیات الٰہی نظر آنے لگیں۔ ایک دن اسی غار حرا میں آپ مصروف مراقبہ تھے۔ کہ اچانک غار منور ہو گئی۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ظہور ہوا۔ انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ اور آپ کو پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ پھر جبرائیل امین نے آغوش میں لے کر زور سے بھینچا اور کہا۔ اب پڑھئے۔ آپ نے وہی جواب دیا۔ پھر جبرائیل امین نے بھینچ کر وہی آیت تلاوت فرمائی اور کہا اب پڑھئے۔ اس وقت حضور کی زبان مبارک پر وہ الفاظ جاری ہو گئے۔ فرشتہ غیب تو غائب ہو گیا۔ اور آپ وحی کے اثرات سے کانپنے لگے۔ جسم پسینے میں شرابور تھا۔ سانس نہایت تیزی سے چل رہا تھا۔ آپ اٹھے اور گھر تشریف لے آئے۔ طبیعت میں وحی الٰہی کی عظمت

سے ایک دہشت تھی۔ رفیقۂ حیات سے فرمایا۔ مجھے سخت سردی لگ رہی ہے۔ مجھے جلد کمبل اڑھاؤ۔ انہوں نے کمبل اڑھا دیا۔ کہ سردی دور ہو جائے۔ وہ تو عظمت الٰہی کا اثر تھا بمشکل کچھ دیر کے بعد جب سکون ہوا۔ تو رفیقۂ حیات نے ازراہِ محبت و ہمدردی حال پوچھا۔ کہ یہ کیا اور کیونکر ہوا۔ تو حضور علیہ السلام نے حالات بیان کرنے شروع کر دئے۔ ابھی بات کی تکمیل نہ ہوئی تھی۔ کہ پھر وہی کیفیت طاری ہو گئی۔ حضور نے اس کیفیت کی شدت سے متاثر ہو کر فرمایا۔ مجھے تو اپنا بچنا محال نظر آتا ہے۔ غمگسار بیوی بولیں۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ اللہ تعالے آپ کو ہرگز ضائع نہ فرمائے گا۔ آپ تو وہ ہیں جو غریبوں اور محتاجوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔ اقربا نواز ہیں دردمندوں سے محبت فرماتے ہیں۔ مظلوموں کی خبرگیری کرتے ہیں۔ اور سب سے با اخلاق پیش آتے ہیں۔ آپ تسلی فرمائیں۔ مجھے تو آپ کی یہ حالت کسی فوز عظیم کا عنوان نظر آتی ہے۔ آپ ذرا سنبھلیں تو میں آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے چلوں گی۔ جو انجیل کا بڑا عالم اور معمر و مسعود آدمی ہے۔ چنانچہ جب ذرا طبیعت سنبھلی۔ تو حضرت خدیجہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ اور سارا حال کہہ سنایا۔ ورقہ بن نوفل نہایت غور سے سنتے رہے۔ پھر بولے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہی ناموس ہے۔ جو حضرت موسےٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا آپ کو مبارک ہو۔ آپ نہایت شاندار اور اولوالعزمانہ مستقبل پانے والے ہیں۔ مجھے افسوس ہے

کہ میں بہت بوڑھا ہوں اور یہ توقع نہیں رکھتا۔ کہ آپ کا زمانۂ نبوت پاؤں۔ اگر زندہ رہا۔ تو آپ کا ساتھ دونگا آپ یاد رکھئے۔ کہ آپ کو اپنی قوم سے بہت سی تکلیفیں پہنچیں گی۔ آپ کو وطن سے نکال دیا جائیگا مگر آپ کیلئے یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ کیونکہ جس قدر انبیاء علیہم السلام دنیا پر تشریف لائے ہیں سب کے ساتھ ان کی اقوام نے یہی سلوک کیا ہے۔ اس خوشخبری کو سن کر حضرت خدیجہ بہت خوش ہوئیں اور کہنے لگیں میں تو پہلے ہی یہ سمجھتی تھی۔ کہ یہ عجیب ترین واقعہ ضرور کسی مرام جلیل کا دیباچہ ہے۔

غرضیکہ حضور علیہ السلام مع اپنی رفیقۂ حیات کے ورقہ بن نوفل سے وہ مژدۂ حق شناس سن کر واپس تشریف لے آئے جو صرف حضور ہی کا حصہ تھا۔ یہ انبیاء سابقین کی طرح اس نبوت کا پہلا راز تھا۔ جو غار حرا میں آپ پر کھولا گیا جس کے تدریجی ترقی کے تمام دور ختم ہو کر ایک انتہائی نقطے پر پہنچ چکے تھے آخر سید الانبیاء محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرما کر اس سارے سلسلے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جو آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر مسیح ابن مریم علیہ السلام تک پہنچا ہوا تھا۔ کیونکہ یہی وہ رسالت ہے جو سب سے پہلی بھی ہے تاکہ تمام نبوتوں کے ظہور کا باعث بنے اور سب سے آخری بھی تاکہ اس سلسلہ کی خاتم ہو۔ اور یہی وہ نبوت نبوی علیہ السلام ہے جس کے لئے روز اول تمام انبیاء علیہم السلام سے معاہدۂ ایمان و اعانت لیا گیا تھا۔

آغاز دعوت و تبلیغ

حضور علیہ السلام نے ورقہ بن نوفل سے جو سنا وہ اپنی ہی ایک واردِ کیفیت اور مکمل حقیقت کا ترجمہ تھا طبیعت

ہیں ایک گونہ آرام بھی مگر وہ غار حرا میں جبرئیل علیہ السلام سے نا مانوس ظہور کا نقشہ اور اسکی حیثیت کے اثرات ابھی تک ذہن میں موجود تھے۔ تاہم یہ خوف کسی انسان یا درندہ کا خوف نہ تھا جس سے تنفر پیدا ہوتا بلکہ یہ خوف نورانی کا تھا جس میں ہر طرح سی وحشت اور بھاگ جانے کا خیال اور شوق بھی موجود تھا۔ جو آپکو کشاں کشاں پھر غار حرا کی جانب دعوت دے رہا تھا حضور اٹھے اور پھر وہیں پہنچے جہاں پہلے ایک بار حسن جمال یار سے دو چار ہو چکے تھے مگر اب وہاں کیا تھا وہی غار اور وہی غار کی تاریکی۔ کئی دن پھر اسی انتظار میں گذر گئے کہ اب کیا ظاہر ہوتا ہے۔ شدت شوق نے بے حد مضطرب کر دیا یہ خیال شریف میں آیا کہ شاید وہ نظارہ اب نہیں ہوگا۔ پہاڑ پر چڑھ گئے اور زندہ رہنے سے اپنے آپکو گرا کر ختم کر دینے کو ترجیح دی۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ اپنے [illegible] جمال کو دوبارہ جمال دکھا جائے جونہی پہاڑ کی چوٹی تک پہنچے جبرئیل علیہ السلام سامنے کھڑے تھے۔ فرمانے لگے:- محمد تم واقعی اللہ کے رسول ہو۔ ایسا کہکر وہ [illegible] اور وہاں آنکھ دیکھکر دل نے ایک گونہ تسکین پکڑی اور مسرت محسوس ہوئی اور آپ پھر غار میں تشریف لے آئے مگر وہ سرشاری وہ لذت اور سرور ناپید تھا جو پہلے غار حرا میں [illegible] عکس افگن ہو چکے وقت طاری ہوا تھا ایک پر مجسس کی محبت جو انسان کو کچھ کا کچھ بنا دیتی ہے۔ یہ تو محبت ابھی تھی اسکے اضطراب اشتیاق کا کہنا ہی کیا ہے اسلئے جبرئیل علیہ السلام کی ملاقات نے وقتی اور وہاں کی طور پر تو تسکین کر دی مگر دیدار یار کا شوق نہ بجھی اور طبیعت وحی کی اصلی کیفیت کیلئے بار بار مضطرب ہو جاتی رہی۔ آپکا اشتیاق بھی بجا تھا اور وحی الٰہی کے تسلسل میں رکاوٹ [illegible] پہلی ہی وحی کی وحی پر آپکی وحشت کا یہ عالم تھا تو اسکے مسلسل ورود پر کیا کیفیت ہوتی۔ نور ربانی اور نزول وحی ایسی چیز تو ہے نہیں انسان جب تک ایسی ہی باتیں تحمل ہو سکے وہ نکہت و جلال والی حقیقت ہے جسکو کچھ اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں اسلئے استعداد دیکھ کر ہی اسکا اجرا ہوتا ہے۔ جیسے دیکھا ہے کہ کسی وجد و ہوش پر لطائف ربانی سے کسی ایک لطیفے کا بھی ظہور ہو جاتا ہے تو اسکی حالت بعض اوقات دگرگوں ہو جاتی ہے اور بیک وقت تمام لطائف کا ورود و ظہور تو انسان کا دماغی توازن صحیح نہیں رہنے دیتا یہ زندگی اور زندگی کی تمام ظاہری اساس نہیں چکنا چور ہو جاتی ہیں اور یہ اس نور کی تجلیات کا اثر ہوتا ہے جو ہزاروں پردوں سے چھنکر اور تقسیم ہو کر آتا ہے پھر اس نور ہستی کی بے پناہی کا اندازہ جو بے پردہ [illegible] کرے اور کسی کی گذشت حیات پر [illegible] جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے تو ایک ہی جھلک میں باوجود دیدار الٰہی خود طلب کر بیٹھے بے ہوش ہو گئے تھے حقیقت یہ ہے کہ [illegible] کا تحمل صرف نبوت ہی ہوتی ہے اور یہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی کا ظرف ہوتا ہے جو اس بے پناہ تجلیات و انوار کے ورود ہوتے اور تحمل ہوتے ہیں جبکے اثر سے پتھر اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پانی ہو جائیں اسے قلب انسانی کا برداشت کر لینا ایک معجزہ ہی کا کام ہے۔

وحی کی تعریف و حقیقت وحی لغت عربی میں اشارت یا خفیہ حالت میں مطلع کر لینے یا دل میں کسی بات کے ڈالنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں [illegible] خدا کی طرف سے اطلاع پانے کا نام وحی ہے بعض حضرات علماء کرام نے یہ بھی تعریف فرمائی ہے کہ شریعت میں وحی کلام الٰہی کو کہتے ہیں جو وہ اپنے کسی نبی پر نازل فرماتا ہے اور کبھی مجرد دل میں کسی بات کے ڈالنے کو بھی کہتے ہیں۔ کتاب الوسائل میں جو [illegible] بخاری شریف لکھا ہے کہ وحی اصل میں خفیہ حالت میں مطلع کر دینے کو کہتے ہیں اور [illegible] نے لکھا ہے کہ وحی کتاب کو بھی کہتے ہیں نیز اشارہ کتابت۔ رسالت۔ الہام خفیہ کلام اور جو کچھ غیر کے دل میں ڈالا جائے ان سب امور کو بھی وحی سے تعبیر کرتے ہیں اور اصطلاح شرع میں انبیاء علیہم السلام پر خدا کا کلام نازل ہونے کو کہتے ہیں

تحقیق وحی کی تین قسمیں ہیں: اول۔ خداوند عالم جل مجدہٗ اپنے تصرف کیساتھ کسی انسان کی زبان سے کوئی بات کہلوائے۔ جیسے دل میں براہ راست کوئی بات ڈال دے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ [illegible] کے ذریعہ سے خود اپنا کلام سنائے۔ تیسرے یہ کہ اپنا فرشتہ یا نبی بھیجکر کسی کو اپنا کلام فرمائے۔ اور یہی تقسیم قرآن پاک کی ہے۔

پھر علماء کرام نے وحی کے متعدد طریقے اور صورتیں احادیث سے اخذ کی ہیں۔ مثلاً حق تعالیٰ جل مجدہٗ خواب میں کلام فرماوے

۲ فرشتہ وحی لے کر آئے اور گھنٹی کی آواز جیسی کہ معلوم ہوئی یہ وحی حضور علیہ السلام پر سب سے زیادہ سخت اور شاق تھی اور آپکو بہت تکلیف ہوتی تھی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جب کبھی ایسی وحی آتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میری زندگی ختم ہو جائیگی اور اس وحی کے سخت ہونیکی وجہ یہی ہے کہ گھنٹی کی آواز کا سمجھنا بشر کے کلام سے زیادہ مشکل اور دشوار ہے اور یہ ایک غیر عادی امر ہے

۳ فرشتہ کوئی بات دل میں ڈال دے

۴ فرشتہ آدمی کی صورت میں آکر ہمکلام ہو

۵ اللہ تعالیٰ بیداری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمائے جیسا کہ شب معراج میں ہوا

۶ اللہ تعالیٰ خواب میں کلام فرمائے۔ جیسا کہ ترمذی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے۔

الغرض حضور علیہ السلام کو پہلے خواب میں مشاہدے ہوتے رہے۔ پھر روشنی نمودار ہوئی اور اس روشنی کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نمودار ہوئے اور ہر قسم کی وحی ہوتی رہی اور دوسری بار وحی میں کچھ فصل اور وقفہ ہو گیا تھا۔ اسکے بعد یہ حالت بدل گئی۔

اس کیفیت کے کچھ عرصہ بعد آپکو دعوت و تبلیغ کا حکم مل گیا۔ اور آپ نے بلا تاخیر تبلیغ شروع کر دی اور اسکی ابتداء نہایت خفیہ اور چپکے چپکے طریقے پر کی۔ سب سے پہلے آپ نے گھر ہی میں اپنی رفیقہ حیات حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اور انہوں نے اسکی دعوت فوراً قبول کر لی اور اسی وقت مشرف باسلام ہو گئیں۔ انکے بعد آپکے چچازاد بھائی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور اپنے مخلص دوست حضرت ابوبکر صدیق اور اپنے غلام خاص زید کو دعوت اسلام دی۔ ان تینوں حضرات کو آنحضرت [illegible] تھے۔ سب ایمان فوراً قبول کر لیا اور تینوں بزرگ بھی ایمان لے آئے۔ اسکے بعد آہستہ آہستہ یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ اور کوشش سے حضرت زبیر۔ حضرت طلحہ۔ حضرت عثمان غنی۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص جیسے باثر و اقتدار افراد بھی بہت جلد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اسلام خفیہ طور پر پھیلنے اور فروغ پانے لگا مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ تعلیم اسلام [illegible] جو اپنے عقائد پر پختہ تھی مگر [illegible] جاذبیت اور کشش تھی کہ [illegible] اور ترقی پاتے [illegible] کی طاقت روز بروز حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا۔ سابقین اولین میں مندرجہ بالا حضرات کے علاوہ حضرت عمار۔ خباب بن ارت۔ [illegible]۔ سعید بن زید۔ عبد اللہ بن مسعود۔ عثمان بن مظعون۔ سعد بن ابی وقاص۔ ابو عبیدہ۔ صہیب۔ بلال جیسے ممتاز حضرات شامل و داخل نظر آتے ہیں۔ یہ تمام حضرات باوقار۔ فطرتاً نیک مزاج۔ شریف النفس اور صائب الرائے تھے۔ اور اپنی پاکیزگی اخلاق کی وجہ سے شہرت کے حامل تھے۔

تین برس تک اس خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اس تمام مدت میں قریباً ۱۳۳ افراد نے اسلام قبول کر لیا۔ جب رحمت کاملہ ایک بنیاد افراد کو آغوش اسلام میں لے چکی۔ تو پھر علانیہ تبلیغ کا حکم صادر ہوا۔ آپ نے عوام الناس کو جمع فرمایا اور کوہ صفا پر چڑھ کر ارشاد فرمایا۔ اے گروہ قریش اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک لشکر چھپا ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ تو تم مجھے سچا سمجھوگے یا جھوٹا۔ اور یقین کروگے یا نہیں۔ تمام مجمع نے آواز دی کہ ہم یقین کرینگے کیونکہ آپکو ہم نے [illegible] آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں کہتا ہوں کہ ایمان لاؤ اور اپنے آپکو عذاب الٰہی سے بچالو اگر ایمان نہ لاؤگے تو عذاب الیم میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر لوگ بڑے برہم اور برافروختہ ہوئے اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق برا بھلا کہتے ہوئے چلے گئے۔ اس کے بعد ایک دن آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تمام خاندان عبد المطلب کو دعوت دو۔ کہ وہ آج یہاں حاضر ہوں۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ جب وہ سب خاندان جمع ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو میں ایک ایسا دین لیکر آیا ہوں جو تم لوگوں کو دین و دنیا میں فلاح کا باعث بنادیگا۔ اور ابدی سعادت بخشیگا۔ بتاؤ اس کی تبلیغ میں کون کون میرا ساتھ دیگا۔ اس آواز پر سوائے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اور کسی نے حامی نہ بھری۔ اور سناٹا سا مجلس پر چھا گیا۔ آپ نے اس سکوت کا علاج یہ سوچا کہ حرم شریف میں جا کر اعلان توحید کو عام فرمایا۔ جس پر [illegible] بے پناہ ہو گئیں اور حملے کے وار شروع ہو گئے۔ اور آپ کے ربیب حارث جو بچانے آئے تھے۔ اسی وقت شہید کر دیئے گئے۔

سرکار دو عالم کی جانب سے تو علانیہ تبلیغ شروع ہو ہی چکی تھی۔ جس کے ختم ہونے یا خاموش کرانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ لیکن دوسری جانب سے بھی ظلم و ستم کا دور آغاز ہوا۔ اور اہل اسلام پر گوناگوں سختیوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔ ان کا بھی بند ہونے کا [illegible] ہر لحظہ خطرات بڑھتے رہے۔ اور کفار کی چیرہ دستیاں نئے سے نیا رنگ پیدا کرنے لگیں۔ ایک دن حضرت حمزہ جو حضور علیہ السلام کے چچا تھے۔ انکی کنیز نے اطلاع دی۔ کہ ابو جہل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت ظالمانہ سلوک کیا ہے۔ آخر چچا تھے خون ایک تھا خاندانی عزت نے جوش مارا۔ اور ابو جہل سے جاکر فرمایا کہ میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں۔ تم اس حق کی صدا کو کیونکر روک سکتے ہو۔ آؤ غیرت ہے تو [illegible] دکھاؤ۔ مگر ابو جہل جانتا تھا۔ کہ حضرت حمزہ ایک وہ بہادر اور جری انسان ہے جس کے سامنے [illegible] ساکھ بھی بگڑ جائیگی۔ آپ کے کلمات سنے اور خاموش ہو گیا۔ پھر حضرت حمزہ کے اعلان ایمان کے بعد اسلام کی [illegible] نے عرب کے ایک [illegible] اور وقعت و دبدبہ [illegible] اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی۔ یعنی ایمان حمزہ رضی اللہ عنہ کے کچھ دن بعد عمر

بن الخطاب عادت سے مشتعل ہوتے ہیں، اور شمشیر برہنہ لے کر چراغِ مصطفوی کو بجھانے کے ارادے سے نکلے ہیں۔ تو راستے میں دیکھ کر حضرت نعیم بن عبداللہ نے پوچھا کہ خیر تو ہے عمر کہاں کی تیاری ہے۔ عمر نے مافی الضمیر کو بڑے کرخت لہجے میں ادا کیا اور آگے بڑھنے لگے۔ ساتھی نے کہا، شمع نبوت کے گل کرنے سے قبل اپنے بہن بہنوئی کا پتہ لو۔ دونوں ہی اسلام لا چکے ہیں۔ پھر وہاں کا ارادہ کرنا۔ بس پھر کیا تھا۔ تن بدن سرخ ہو گیا۔ غصہ کی حالت میں وہاں پہنچے۔ بہن پر بہت سختی کی۔ آخر قرآن کریم کی چند آیات سن کر مشرف با اسلام ہو گئے۔ اور فوراً ہی حضور کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت عمر بن الخطاب کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے، اور انہوں نے اسی دن حرم کعبہ میں جا کر نماز پڑھی۔ انگریز مورخ سر ولیم میور لکھتا ہے کہ اس چھبیس سالہ نوجوان کے ایمان لے آنے سے اسلام اور مسلمانوں کو اتنی تقویت پہنچی کہ اسی دن سے فرائض اسلام علانیہ ادا کئے جانے لگے۔ اب کفار نے بھی اپنی ایذا رسانی کا پہلو بدلا اور صورت یہ پیدا کی، کہ باحیثیت مسلمانوں سے تو نہ الجھے مگر کمزوروں اور غریبوں پر ظلم کی بجلیاں گرانے سے باز نہ آئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ غریب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد حبشہ کی جانب ہجرت کر گئی جس کے تعاقب میں بھی کفار نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ سب کو گرفتار کر کے واپس لے آئیں یا قتل کر دیں مگر کامیاب نہ ہوئے بلکہ جہاں وہ اللہ والوں کی جماعت پہنچی وہاں بھی نور اسلام اپنی ضوفشانی کرنے لگا۔ کفار قریش نے جب دیکھا۔ کہ اسلام ایک خوفناک صورت میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ عرب اور حبشہ کے اکثر معززین اور اہل علم اس کی لپیٹ میں آ گئے ہیں۔ تو گھبرائے اور اس کی روک تھام کے لئے ایک جلسۂ عام منعقد کیا۔ اور اس میں عتبہ بن ربیعہ کو اپنا نمائندہ معین کر کے حضور کی خدمت میں بھیجا۔ تاکہ وہ آپ سے اس رنگ میں گفتگو کرے۔ جو اس مجلس کا حقیقی منشا تھا۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ حاضر خدمت حضور علیہ السلام ہوا، اور عرض کرنے لگا۔

اے بھتیجے! تو اور نہیں ہم اور نہیں اپنا ہی گوشت پوست ہے۔ اس تحریک اسلام سے اگر تیری منشا زر و جواہر حاصل کرنا ہے۔ تو ہم اس کے انبار تیرے قدموں میں لگا دیتے ہیں اور اگر عزت و جاہ کا آرزو مند ہے۔ تو ہم تجھے اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور اگر حکومت کی تمنا ہے۔ تو عرب کا تاج حاضر ہے۔ اور اگر دلہن عرب کی خواہش ہے تو جتنی ماہ پیکر و گل اندام دوشیزہ لڑکیاں ہیں۔ ہم انہیں تیرے عقد میں دے سکتے ہیں۔ اور اس کے عوض میں سوائے اس کے ہم کچھ نہیں چاہتے کہ تو اس تحریک کو روک دے اور بس۔

عتبہ بن ربیعہ نے مادی دنیا کے تمام وہ مادی اسباب جن سے ایک دنیا کا متمنی دنیادار کامل طور پر خریدا جا سکتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کئے۔ اور جس حد تک ایک انسانی تصور کام کر سکتا ہے۔ عتبہ نے وہ سب کچھ آپ کے سامنے رکھ دیا۔ جس سے زیادہ انسانی آرزوؤں کا طول و عرض نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی خوش قسمت لیڈری کا متمنی انسان ہوتا۔ تو اس کی لیڈری کی تمام حدود یہاں ختم ہو جاتیں۔ مگر یہاں تو دنیا پرستی اور خود پسندی کا جھگڑا ہی نہ تھا۔ خدائے قدوس کا کام تھا جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے۔ حضورؐ نے عتبہ کے سامنے قرآن کریم کی چند آیتیں پڑھیں اور ان کی تمام کی تمام پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ عتبہ وہ قرآن سننے کے بعد اس قدر متاثر ہوا۔ کہ اپنی مجلس مشاورت کے ممبروں کو جواب دیئے بغیر گھر میں جا کر خاموش بیٹھ گیا۔ ابو جہل جواب کا انتظار کر کے اس کے گھر گیا۔ کہ عتبہ سے حقیقت حال معلوم کرے۔ آخر مایوسانہ جواب سن کر حیران ہوا اور چلا آیا۔ پھر ایک مجلس مشاورت قائم ہوئی۔ اور اس میں اپنی موقر پیشکش کے ٹھکرائے جانے پر یہ سوال پیدا کیا گیا، کہ ایک انسانی طاقت جو کچھ دے سکتی ہے۔ ہم نے دینے سے دریغ نہیں کیا۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح بھی رضامند ہوتے نظر نہیں آتے۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے۔ کامل غور و خوض کے بعد یہ قرار پایا کہ معززین و روسائے شہر کا ایک وفد ابو طالب کے پاس جائے۔ اور یہ کہے کہ ہمارے صبر کی انتہا ہو چکی ہے۔ اور ہم اب زیادہ عرصہ اپنے بتوں اور معبودوں کی توہین نہیں سن سکتے۔ لہٰذا آپ اپنے بھتیجے کو سمجھا دیجئے کہ وہ اس فعل و قول سے باز آ جائیں۔ ورنہ تمام روسائے مکہ کے فیصلے سے بالکل قتل کر دیئے جائیں گے۔ پھر آپ کس کس سے لڑیں گے۔ اور کس کس سے دست و گریباں ہوں گے۔ چنانچہ وفد گیا۔ اور اس نے اپنا مافی الضمیر ابوطالب پر واضح کر دیا۔ ابوطالب نے معلوم کیا کہ معاملہ زیادہ نزاکت اختیار کر گیا ہے۔ ان سے وعدہ کیا کہ میں سمجھاؤں گا۔ چنانچہ وفد چلا گیا تو حضور علیہ السلام سے کہا۔ بیٹا کفار قریش اپنے جذبات کی انتہائی بھڑک دکھا گئے ہیں۔ اور تیرے قتل پر آمادہ ہیں۔ اب میرے بس کی بات نہیں رہی۔ تم اپنا مستقبل خطرے میں نہ ڈالو اور سوچو کہ تم کو ایسے

نازک وقت میں کیا کرنا چاہیئے۔ حضور علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔ اے چچا جان اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی لا کر رکھ دیں۔ تو میں اپنے فریضۂ تبلیغ سے باز نہیں آ سکتا۔ نہ مجھے جان کی پرواہ ہے۔ اور نہ میں حق سے منہ موڑ سکتا ہوں۔ یہ جواب سن کر چچا خاموش ہو گئے۔ اور آپ اپنے کام میں بدستور مشغول رہے۔ آپ کا یہ جواب پیغمبرانہ استقلال اور بے نیازی کا روشن اور شاندار مظاہرہ ہے۔ جس پر دنیا آج بھی عش عش کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ کہ آپ کے یہ الفاظ آپ کے انتہائی جذبۂ عشق الٰہیت پرستی، عزم راسخ اور شیفتگی کا ایسا مظہر ہیں۔ جن کو قوت انسانی کا ایک لافانی پیکر خیال کرنا چاہیئے۔

مکہ مکرمہ سے ہجرت

قریش مکہ اسلام کو فروغ پاتے اور حضور علیہ السلام کو سرگرمی کے ساتھ مصروف عمل دیکھتے تو انگاروں پر لوٹتے بھنتے۔ آپ کے اور آپ کے پیروؤں کے لئے عرصۂ حیات تنگ کرنے کی ہزار کوششیں سوچتے اور ہر قسم کی امکانی رکاوٹ پیدا کرتے۔ ہر درد و کرب کا ذریعہ عمل میں لاتے۔ اور ہر پریشانی کے پہنچانے میں دریغ نہ کرتے۔ مگر یہاں رنج و راحت سے یک بے نیازی ہے۔ جو یہ ثابت کرتی ہے۔ کہ کفار کی تمام حیلہ سازیاں اور چارہ جوئیاں بیکار ہیں۔ باوجود اس کے کہ پیہم ناکامیوں سے سابقہ پڑ رہا ہے۔ جو بڑے بڑے حوصلہ مندوں کی رگ حیات کو بھی افسردہ بنا دیتی ہیں لیکن حضور پر وہ خود رفتگی کا عالم ہے عناد و عقوبت کے انتشار سے بے پرواہ ہو کر ایسے والہانہ جوش سے اپنا کام کیا جا رہا ہے جو جور و عدوان کی آندھیاں اور ظلم و مصائب کے ہوش کُش طوفان بہت رسالت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتے۔

جب قریش کا اشتعال انتہا پر پہنچ چکا اور وہ بتوں کی مذمت سن سن کر نعل در آتش ہو گئے تو پھر ایک اور مجلس مشاورت بلائی جس میں فیصلہ کیا گیا۔ کہ ایسی بہتر تجویز سوچیں جس سے بغیر واسطے کے آپ کا چراغ حیات خود بخود ہی گُل ہو جائے۔ اور ہمیں بنو ہاشم کا انتقام دینا نہ پڑے۔ چنانچہ اس مجلس مشاورت میں تمام قبائل قریش نے متفقہ طور پر ایک معاہدہ کیا جس میں مندرجہ ذیل امور پاس کئے گئے۔

۱۔ کوئی شخص خاندان نبوت سے کسی قسم کا کوئی تعلق کسی حالت میں بھی قائم نہ رکھے گا۔ اور سب سے ملنا جلنا قطعی طور پر ترک کر دے گا۔

۲۔ ہر شخص اس امر کی امکانی سعی کریگا کہ ان تک خورد و نوش کی کوئی چیز نہ پہنچنے پائے۔

۳۔ سارے خاندان نبوت کو قید کر کے اس وقت تک اس پر شدید نگرانی قائم رکھی جائے جب تک وہ قید سے تنگ آ کر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے خود بخود قوم کے حوالے نہ کر دیں۔ منسوخ نہ کر لے

اس معاہدہ کی کتابت کی اور سب سے دستخط کرا کے بڑی اہمیت کے ساتھ در کعبہ پر لٹکا دیا۔

اس معاہدہ کے بعد ابوطالب اپنے تمام خاندان کو ساتھ لے کر شعب ابوطالب میں پناہ گزین ہو گئے جو پہاڑ

کے دامن میں ایک کافی کھلا مکان تھا۔ قریش نے اس کے فوراً بعد محاصرہ کر کے پہرے دار مقرر کر دیئے اور اس شدت کے ساتھ محاصرہ کیا کہ ایک دانہ بھی اناج کا اندر نہ جا سکتا تھا۔ آپ کے اور آپ کے خاندان کے لئے یہ مصیبت کوئی ہنگامی یا وقتی نہ تھی بلکہ پورے تین سال تک رہی جس کی کوئی مثال اس بھری دنیا میں نہیں مل سکتی۔ کسی ایک شخص کا قید و بند کی سختیوں میں گرفتار ہونا اور بات ہے اور خاندان کے خاندان کا مع زن و فرزند مرد اور خورد کلاں کے غیر معینہ مدت کے لئے پابند آلام ہونا اور ہے۔ حضرت سعد بن وقاص کا بیان ہے کہ یہ وقت ہم پر ایسا سخت گزرا کہ ایک دفعہ رات کو کہیں سے سوکھا چمڑا ہاتھ آ گیا تو میں نے پہلے اس کو دھو یا صاف کیا اس کے بعد خود روکے آگ پر بھونا اور اس کو پانی میں ملا کر کھایا اور اکثر اوقات تو سارے کے سارے افراد طلح کے پتے کھا کھا کر گذارہ کرتے رہے۔ اور بعض اوقات وہ بھی میسر نہ ہوتے لیکن اس پر بھی ابتلا میں بھی حضور علیہ السلام کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور یہ صبر آزما وحشت سوز میعاد لپیٹ دی تو ہمت سے گذار دی۔ آخر قدرت الہی سے وہ وقت آ گیا کہ ظالم خود مظلوم پر رحم کرنے اور ستمگار کی مصیبتوں کو دیکھ کر ستمگاری کی اپنی آنکھوں میں آنسو آ جائیں۔ دشمنوں سے دوست پیدا ہو گئے اور یہ غیر معین مدت کی قید تین سال ہی میں ختم ہو کر رہ گئی۔

کفار اس خاموش مقابلہ میں گو جھک کر عاجز آ گئے تھے مگر اس بے جا ہٹ نے آپکو اور غضبناک بنا دیا تھا۔ حضور علیہ السلام شعب ابوطالب سے نکل کر پھر دعوت و تبلیغ میں مصروف ہو گئے ہر خورد و کلاں تو پہلے ہی دشمن تھا اب انہوں نے جا بجا برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ ادھر یہ مصیبت کہ جدھر کو نکلتے کوڑے کرکٹ کی بارش ہوتی اور آوازے کسے جاتے ادھر چند ہی دن کے بعد غمگسار بیوی اور محترم چچا کا انتقال ہو گیا جس کا آپ کو بے حد صدمہ ہوا۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ تین برس تک تبلیغ و دعوت کا خفیہ سلسلہ جاری رہا۔ پانچویں سال سیلاب مصائب امڈ آنے پر آپ نے توحید کے فرزندان توحید کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا اور وہ محفوظ جا کر اپنے کام میں مشغول ہو گئے اور بے کسی کی زندگی گذارنے لگے۔ اتنے بعد ان کی اطلاعات بھی کفار قریش کے لئے دلسوز ہی آئیں۔ یہاں عرب میں تو اسلام پھیل ہی رہا تھا۔ آخر بوکھلا کر پھر ایک جلسہ کیا۔ اور اپنے دلوں کے پھپھولے توڑ کر یہ رائے پاس کی کہ عرب کے مختلف قبائل میں اسلام زور پکڑ رہا ہے۔ مہاجرین کی طرف سے جو اطلاعات مل رہی ہیں وہ انکی کامیاب مساعی کو واضح کرتی ہیں اور سنا ہے کہ مدینہ میں بھی اسلام بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے اگر چند دن یہی حالت رہی تو ہمارا تمام رعب داب اور وقار خاک میں مل جائیگا اور عجب نہیں کہ یہ لوگ کامیاب ہو کر ہم سے انتقام لیں اس لئے اب ایک آخری اور انتہائی دلیرانہ قدم اٹھانے کی ضرورت ہے تم اگر ایسا نہ کرو گے تو ہماری طرح کی کمزوری اور خاموشی کل کو ہمیں موت کی نیند سلا دیگی۔ اب یہی خیال ہے کہ اس آسمان کے نیچے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو سانس لینے کا موقعہ ہی نہ دیا جائے۔ اور اس مسئلہ کو یوں حل کر دو کہ تمام قبائل سے ایک ایک آدمی منتخب کیا

جائے اور وہ سارے مل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم (پر یکبارگی حملہ کریں) اور تلواروں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ کر دیں۔ اس سے اس کا خون بہا بھی تمام قبائل پر تقسیم ہو جائیگا اور بنو ہاشم (یعنی انکے خاندان والے) کسی سے انتقام نہ لے سکیں گے چنانچہ اس مشورہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک جماعت منتخب ہو گئی جس نے سپیدہ صبح طلوع ہونے سے پیشتر کاشانہ نبوت کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس معاملہ میں تہیہ کر کے کھڑے ہو گئے کہ حضور کے گھر سے باہر قدم رکھتے ہی آپکا خاتمہ کر دیا جائے۔

لیکن جس کو خدا رکھے اسے کون چکھے۔ وہاں تو یہ بد دین کفر و شرک کی دشمنی اور قتل کیلئے نقوب تامیہ کے معاندانہ ارادے تھے مگر یہاں انکی خفیہ باتوں کی اطلاع دینے والی ذات عالم الغیب خدا اور حفاظت کرنیوالی بھی مالک کی ذات تھی۔ وہاں قتل کا مشورہ ہو رہا ہے یہاں بذریعہ وحی مطلع فرما دیا گیا کہ ان کا یہ ارادہ ہے۔ لہذا آپ ہجرت کر جائیے۔ چنانچہ حضور اول وقت میں بعد غروب آفتاب گھر سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں عازم مدینہ طیبہ ہو گئے۔ کفار کو صبح پتہ چلا تو بڑا اس بات پر قلق ہوا کہ کیا کر بے سود۔ نہ پا سکے آخر نادم ہو کر اپنی چالوں پر قہر و غضب سے پیچ و تاب کھا کر خاموش بیٹھ گئے جبکہ یہاں تلاش کی تلملاہٹ رہی حضورؐ مدینہ میں پہنچ چکے تھے۔

حضور علیہ السلام مدینہ طیبہ پہنچ کر ہر طرح محفوظ تو ہو گئے اور ایک گونہ اقتدار و وقار بھی حاصل ہو گیا مگر یہاں دوسری قسم کی مصائب و آفات سے دو چار ہونا پڑا اور دشمنوں نے یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ باضابطہ طور پر جنگ و جدال شروع ہو گئے تاہم مدینہ طیبہ مرکز تھا۔ وہاں جو کام تیرہ برس کی مسلسل تبلیغ میں نہ ہو سکا تھا یہاں وہ چند برس کے اندر آسانی کے ساتھ ہو گیا۔ مدینہ میں قبائل کے قبائل مسلمان ہوتے چلے گئے اور گھر گھر میں اسلام پھیل گیا۔ نور نبوت کی شعاعوں سے در و دیوار منور ہو گئے اور خاک مدینہ کے ذروں سے بھی یہ صدائیں آنے لگیں۔

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔

غلامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض

وقت کی قلت۔ روپے کی قلت اور اسباب ظاہری کی قلت نے ساز گاری نہیں دکھائی اسلئے میلاد النبی کے بارے جو کچھ اور جس وضاحت سے لکھنا چاہتا تھا نہیں لکھ سکا تاہم جو لکھا گیا ہے مولا کریم اسے قبول فرمائے اور آئندہ بہت کچھ لکھنے کی توفیق بخشے تاکہ اپنا تاجدار کائنات مفخر موجودات مختار شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت نویسی اور نعت گوئی کا شوق پورا ہو مثل مشہور ہے جس کا کھائیے اسی کا گائیے۔ یہاں یہ ہے کہ جتنی کائنات ارضی و سماوی (اور جو اس کے علاوہ بھی ہے) سب سرکار دو عالم ہی کا صدقہ کھا رہی ہے۔ اوائل کے لحاظ سے یہ دنیا کب کی رنجش الہی کی تجلیوں میں جل چکی ہوتی اگر اس کے بقاء و تحفظ کا باعث

وہی لولاک و گنبد خضرا کا مالک اور مالک الکل کا محبوب نہ ہوتا۔ ہم کیا اور ہمارے اعمال کیا حقیقت یہ ہے کہ کتے کا نہیں کتے کے مالک کا منہ مارتا ہے۔ مولا کریم کو شرم ہے تو اسی کریم کی اور لحاظ ہے تو اسی حبیب کا ورنہ ذرہ درمیان میں نہ ہو تو چودھویں صدی کے مسلمان کی مسلمانی کا بھاؤ معلوم ہے۔

جی چاہتا ہے کہ میلاد الرسول علیہ السلام کو ختم کرتے کرتے نقیدہ سے پہلے سب مسلمانوں کو مزید بصیرت دے کر یہ بتا بھی دیا جائے۔ کہ اس حالت میں جبکہ دشمنان اسلام اسلام کو روحانی و دنیاوی شکست دینے کے لئے تلے بیٹھے ہیں اور پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے شرف و احترام میں رخنہ اندازی پر کمربستہ ہو چکے ہیں مسلمانوں کا کیا فرض ہے۔

دشمن اگر ہر قسم کے آلات حرب سے مسلح ہیں اور جنگ وجدال کے لئے اسلامیوں کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ تو کیا اسلامیوں کی سیاسی اور دینی زندگی کا تحفظ اسی میں نہیں کہ مسلم دنیا میں اسلام کی عزت و مقبولیت عظمت وشان اور تبلیغ و اشاعت کا پورا پورا انتظام و اہتمام کریں اور کائنات عالم کی قوموں اور زمانوں میں سیرت نبوی علیہ السلام کی اشاعت کو عمل میں لائیں۔ اور ہر فرزند توحید اسباب ظاہری کے ساتھ ساتھ اپنے دل کی گرمیوں۔ خون کی حرارتوں اور عشق و جنون کی بیقراریوں کو اس دعوت حیات کے لئے وقف کر دے۔ کیونکہ اس کی ترقی اور تنظیم کا سرچشمہ روحانی و مادی فلاح کا ذریعہ۔ دینی و دنیوی سعادتوں کا منبع۔ عروج و ارتقاء کا زینہ۔ مذہبی و سیاسی اور معاشرتی اصلاح کا دستور العمل۔ ہر ہر مرض کی دوا۔ اور تمام کمزوریوں اور درماندگیوں کا واحد علاج یہ ہے۔ کہ صحیح الایمان ہو کر سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آستانہ اقبال تک پہنچ جائے اور اپنی جبین نیاز کو اسی چوکھٹ کے لئے وقف کر دے۔ (وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمْ)
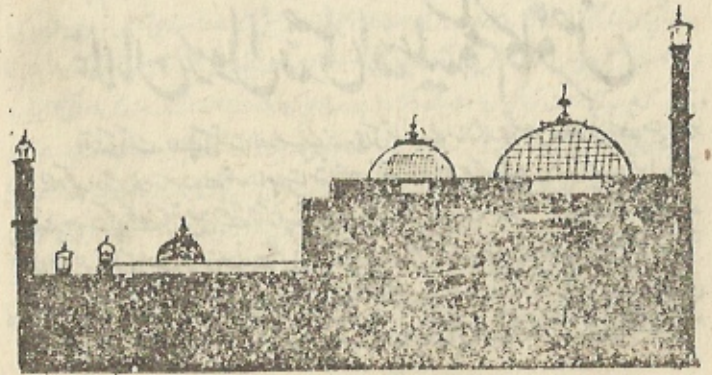
منازل باسلاسل گرزوردی
ازاں دوراست منزل سہروردی
تعارفِ سُہروردیہ
مُصنّفہ
شمس شریعت محمدیہ قمر طریقت سہروردیہ
مخدوم المتقین امام السالکین حضرت
مولانا الحاج ابو الفیض قلندر علی صاحب قبلہ سہروردی
ادام اللہ تعالےٰ برکاتہم
ناشر
مرکزی مجلس سہروردیہ لاہور